تعمیرِ حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

حلاوتِ قرآن

اللہ کے دوستوں اور عاشقوں کے لئے ساری لذّت وحلاوت قرآن میں ہے، اور ان کے دلوں کی راحت وتسکین کا سامان اسی میں ہے۔ کلام کے ساتھ ہی ان کا دل متکلم سے وابستہ ہوجاتا ہے، اور قرآن کے احکام وقصص، مواعظ واخبار، وعد ووعید کو سنتے ہی ان کے دلوں میں گداز پیدا ہوجاتا ہے۔ اور متکلم کی عظمت میں وہ اپنی ہستی گم کردیتے ہیں، اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ شعر کو نہ کہ قرآن کو، طبیعت بشری سے خاص مناسبت ہے اس لئے اشعار کو سن کر دل میں قدرتاً تحریک پیدا ہوتی ہے، سو یہ قول لغو وبے حقیقت ہے، اس لئے کہ شعر کے وزن اور موسیقی کے تال سُر پر حرکت کرنا جبلت حیوانی کا تقاضا ہے، چنانچہ حیوانات اور بچے سب اچھی موسیقی سے اثر قبول کرتے ہیں، یہ فطرت حیوانی ہے، انسان کی اعلیٰ فطرت کا درجہ اس سے کہیں بلند ہے۔ جن کے دلوں میں ایمان گھر چکا ہے، اور محبتِ الٰہی حلاوت حاصل کرچکی ہے، جیسا کہ حضرات صحابہؓ اور ان کے بعد آنے والوں کا حال تھا، سو ان کے قلب کو حرکت میں لانے والی اور ان کے شوق، وجد، رقت، اور خشوع کو بڑھانے والی شئے، قرآن پاک کی سماعت ہی ہوسکتی ہے۔

مولانا عبدُ الماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ

ماخوذ از: ذکرِ رسولؐ

فی شمارہ ۵ روپے

۲۵ مارچ ۱۹۹۷ء

Regd No. LW/NP56
Fax No. : (0522) 380570

Principal : 372336
Guest House : 323 [illegible] Ext. 20

TAMEER-E-HAYAT

FORTNIGHTLY
NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India)

Rs. 5/-

لکھنؤ کے قدیم مشہور ومعروف صندل سے تیار کردہ خوشبو دار عطریات، عمدہ واعلیٰ قسم کے روغنیات وعرق کیوڑہ، عرق گلاب ودیگر عطریات کی ایک قابل اعتماد دوکان۔ ایک مرتبہ تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں

خط وکتابت کا پتہ

فون: 268898

اظہار احمد اینڈ سنس پرفیومرس، چوک لکھنؤ

آپ کی خدمت میں جدید ودلکش
سونے چاندی کے زیورات کیلئے
ہمارا نیا شوروم
گہنہ پیلس
حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد فہیم خاں محمد معروف خاں
ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ چوک لکھنؤ
فون نمبر ۲۶۰۴۳۳

مئو کے اصلی نورانی تیل کی خاص پہچان
لیبل پر لائسنس نمبر U-18/77 اور کیپ کے اوپر MAU CITY ہے تب اصلی ہے اگر یہ دونوں پہچان نہ ہو تو نقلی ہے۔
نورانی تیل
درد۔ زخم۔ چوٹ۔ کٹنے جلنے کی مشہور دوا
انڈین کیمیکل کمپنی، مئوناتھ بھنجن یو۔پی

چشمہ ساگر
جاپانی کمپیوٹر کے ذریعہ آنکھوں کی جانچ ہوتی ہے۔
AUTO REFRCCTO METER AR-8 60
فوٹوکرامک، کوٹیڈ لینس، ہائی انڈیکس ریزی لینس، فینسی باور ودھوپ کے چشموں کا خاص مقام۔
ایک بار خدمت کا موقع دیں
آپٹیشین۔ اے۔ رحمٰن (علیگ)
شنکر جی کی مورتی کے نزدیک، معتبر گنج۔ اعظم گڑھ

پندرہ روزہ

تعمیر حیات

لکھنؤ

مجلس صحافت ونشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۴	۲۵ مارچ ۱۹۹۷ء - مطابق - ۱۵ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ	شمارہ نمبر ۱۰

زیر نگرانی:-
مولانا قاضی معین اللہ صاحب ندوی (نائب ناظم ندوۃ العلماء)
مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب ندوی (معتمد تعلیمات دار العلوم ندوۃ العلماء)
مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء)
پروفیسر وصی احمد صدیقی صاحب (معتمد مالیات ندوۃ العلماء)

مدیر مسئول:
شمس الحق ندوی

مجلس ادارت:
مولانا نذر الحفیظ ندوی، مولانا محمد خالد ندوی
مولانا عبداللہ حسنی ندوی، ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

زر تعاون

سالانہ ——— ۱۰۰ روپے
فی شمارہ ——— پانچ روپے

بیرونی ممالک فضائی ڈاک:-
ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک
——— ۲۵ ڈالر

بیرونی ممالک بحری ڈاک:-
بحری ڈاک جملہ ——— ۱۰ ڈالر

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین وادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپئے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

گذارش

خط وکتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کیساتھ مکمل نام وپتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے۔ ——— مینجر

خط وکتابت کا پتہ

مینجر تعمیر حیات پوسٹ بکس ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ 226007 یوپی
ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت ونشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے پاریکھ آفسٹ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

درس حدیث

اعمالِ صالحہ کی دعوت

ڈاکٹر محمد لقمان اعظمی ندوی صدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز ٹیچرس ٹریننگ کالج حائل السعودیہ
شمس الحق ندوی

ترجمہ

عن ابی ھریرۃ، أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "من دعا إلی ھدیً کان لہ من الاجر مثل اجور من تبعہ، لا ینقص ذلک من أجورھم شیئا ومن دعا إلی ضلالۃ، کان علیہ من الاثم مثل آثام من تبعہ، لا ینقص ذلک من آثامھم شیئا"

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے بھلے کام کی دعوت دی (خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا) تو اس دعوت دینے والے کو اتنا ہی ثواب ملے گا۔ جتنا اس کی دعوت پر عمل کرنے والوں کو۔ اور ان عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ اور جس شخص نے گمراہی (غلط کام) کی طرف بلایا تو اس کو اتنا ہی گناہ ہوگا، جتنا اس گناہ کرنے والوں کو ہوگا۔ اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔

حدیث کا عام مفہوم

جس نے کسی بھلی راہ کی دعوت دی ہدایت دین اسلام میں اچھائی اور نیکی کے کام کو کہا جاتا ہے۔ طیبی کا کہنا ہے کہ (ایسی ہدایت جو منزل تک پہنچانے والی ہو یا محض راستہ دکھانے والی ہو، یہاں ہدایت سے مراد وہ ہدایت ہے جس سے اعمال صالحہ کی طرف رہنمائی حاصل ہوتی ہو حدیث میں ہدایت کا لفظ نکرہ لانا جنس ہدایت کے لیے عام ہے جس کا سب سے اونچا مرتبہ ہدایت کی دعوت ہے اور کم سے کم درجہ مسلمانوں کے راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا ہے [1]۔

بگڑے ہوئے ماحول میں فریضۂ دعوت کو ادا کرنا گو بہت دشوار کام ہے لیکن ہے بہت عظیم الشان اور خالق کائنات کو راضی کرنے والا کام۔ لہٰذا ایسے سخت حالات میں جو شخص نیک راہ کی دعوت دے گا اس کو اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوگا اور ایسا اجر ملے گا جس کا حصول کسی اور عمل کے ذریعہ ممکن نہیں، خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ) [2]

اور اس شخص سے بات کا اچھا کون ہو سکتا ہے جو خدا کی طرف بلائے اور عمل نیک کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔

آیت سے معلوم ہوا کہ روئے زمین پر بولا جانے والا سب سے بہتر لفظ دعوت الی الخیر ہے جو آسمان کی طرف جانے والے اچھے کلمات میں سب سے آگے آگے ہوتا ہے لیکن یہ دعوت نیک عمل کے ساتھ ہو، جو اس مبارک کلمہ کی عملی تصویر ہو اور اپنے کو اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان کر دیا ہو، جس میں اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے اور شہرت و ناموری کا شائبہ بھی نہ ہو، جب ایسا ہوگا جبھی دعوت اللہ کے لیے خالص ہو سکتی ہے اور داعی کا مقصد کلمۂ خیر کا لوگوں تک حسن نیت کے ساتھ پہونچانا ممکن ہو سکتا ہے جو صدقۂ جاریہ ہوگا اور اس کے اجر وثواب کا سلسلہ برابر جاری رہے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم عربوں کی تربیت خدائی طریقہ پر اچھے اعمال کی طرف بڑھنے۔ شریفانہ طرز زندگی اپنانے۔ اور اچھی اقدار کو حرز جان بنانے کی خدائی تربیت مختلف مناسبتوں اور تھوڑے تھوڑے وقفہ سے فرمایا کرتے تھے۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور آپ سے سواری مانگی آپ کے پاس سواری تھی نہیں، لہٰذا آپ نے اس شخص کو دوسرے کے پاس بھیجا۔ انھوں نے اس شخص کو سواری دے دی۔ جب اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کی تو آپ نے فرمایا (إن الدال علی الخیر کفاعلہ) اچھے کام کا مشورہ دینے والا اجر کا اتنا ہی مستحق ہے جتنا اس کے مشورہ و رہنمائی سے اچھا کام کرنے والا، اس لیے کہ بھلائی کی طرف رہنمائی کرنے والا بھلائی میں اس کا معاون بنا۔ اگر وہ بھلا کام جس کا اس نے مشورہ دیا ہے انجام پا گیا۔ تو اس کو بھی اس کا ثواب ملے گا اور نہیں انجام پایا تو اس کو اس کے مشورہ و رہنمائی کا ثواب تو ملے گا ہی [3]

[1] تحفۃ الاحوذی، [2] حٰمٓ السجدہ - ۳۳
[3] تحفۃ الاحوذی باب من دعا إلی ھدی

(باقی ص ۲۹ پر)

اس شمارے میں

۱۔	درس حدیث	مولانا ڈاکٹر محمد لقمان اعظمی ندوی	۲
۲۔	علامہ سید عبدالحی حسنیؒ اور ان کے علمی کارنامے۔ (اداریہ)	شمس الحق ندوی	۵
۳۔	مولانا حکیم سید عبدالحی صاحبؒ	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۷
۴۔	سفرنامہ حج و زیارت	محمود حسنی ندوی	۱۲
۵۔	گل رعنا۔ ایک مطالعہ	پروفیسر وصی احمد صدیقی	۱۵
۶۔	مصر میں شیطانی فرقہ	مطیع الرحمان عوف ندوی	۱۹
۸۔	سوال و جواب	محمد طارق ندوی	۲۱
۹۔	ہندوستانی علماء کے علمی کارنامے	رپورٹ سمینار سید عبدالحی حسنیؒ	۲۲
۱۰۔	اجودھیا کا المیہ	مادھو گوڈبولے	۲۵
۱۱۔	مطالعہ کی میز پر	ڈاکٹر حافظ ہارون رشید صاحب	۲۸

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی ۱۰/- روپئے کے حساب سے زرضمانت پیشگی روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر R.20/-
۲۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۳۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH -(K.S.A.)

برطانیہ
Mr. M. AKRAM NADWI
O.c.I.S.
St. CROSS COLLEGE
Oxford OX1 3TU - U.K.

ساؤتھ افریقہ
Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S.AFRICA)

قطر
Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O.Box No. 12525
DUBAI -(U.A.E.)

پاکستان
Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI-31 (Pakistan)

امریکہ
Dr. A. M. Siddiqui Sb.
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 -(U.S.A.)

اداریہ

شمس الحق ندوی

علامہ سید عبدالحی حسنیؒ، ان کے علمی کارنامے

اردو اکیڈمی کا اس موضوع پر کامیاب سمینار

اردو اکیڈمی اتر پردیش نے ۱۶۔۱۷ مارچ ۱۹۹۷ء کو مولانا سید عبدالحی حسنی رحمۃ اللہ علیہ پر بین الاقوامی سطح پر سمینار منعقد کیا، اس سمینار میں ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں اور علمی اداروں کے نمائندوں کی ایک خاصی تعداد نے شرکت کی، سمینار سامعین کی کثرت اور مقالات سننے میں ان کے شوق و شغف کے لحاظ سے بھی بہت کامیاب رہا، اور مقالات کے متنوع اور مولانا مرحوم کی علمی خدمات کے مختلف پہلوؤں کے جائزوں پر مشتمل ہونے کے لحاظ سے بھی مفید اور علمی مطالعہ و تحقیق سے معلومات میں اضافہ کا باعث بنا۔

مولانا سید عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیک وقت ایک قابل طبیب، علوم دینیہ پر عبور رکھنے والے اور ادبیات و علوم اجتماعی سے اچھا شغف رکھنے والے شخص تھے، اپنی ان تینوں خصوصیات کے ساتھ وہ ندوۃ العلماء جیسے بین الاقوامی ادارے کے کارکن پھر سربراہ ہوئے۔

ندوۃ العلماء کی تحریک کے آغاز ہی سے وہ اس میں شامل ہوئے اور جلد ہی اس کے انتظامی ذمہ داروں میں ان کو نمایاں مقام ملا — انھوں نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ اور ادارہ کے ذمہ دار اعلیٰ منتخب ہوئے اور اسی عہدہ پر زندگی تمام کی، ان کی وفات کو متعلقین ندوۃ العلماء نے بہت زیادہ محسوس کیا اور اس کو ندوہ کا بڑا خسارہ محسوس کیا، ان کی وفات پر متعلقین ندوہ کے جو نوٹ شائع ہوئے ان سے مولانا عبدالحیؒ کی اہمیت اور ندوہ کے لئے ان کی ضرورت محسوس کئے جانے کا پورا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا نے ندوۃ العلماء کی نظامت ایسے وقت میں سنبھالی کہ ندوہ کے ذمہ داران اعلیٰ میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ درمیانی خصوصیات کی کوئی شخصیت نہ تھی جو مختلف النظر ذمہ داروں کا خیال رکھتے ہوئے کام کو بڑھائے مولانا پر اس سلسلہ میں ذمہ داروں کی نظر پڑی اور مولانا نے ان کے سلسلہ میں جو توقع قائم کی گئی تھی وہ باحسن وجوہ پوری کی، اس طرح وہ ندوۃ العلماء کے کامیاب ناظم رہے اور مختلف النظر ذمہ داران ندوہ ان سے مطمئن ہوئے اور ندوہ اپنے نقطہ نظر کے مطابق آگے بڑھا۔

مولانا سید عبدالحی حسنیؒ کی مذکورہ خصوصیت اور ان کی طبابت نیز علوم اسلامیہ میں ان کی دستگاہ نیز وہ صفات تھیں جو ان کے عہد کے لوگوں کی نظر میں نمایاں طور پر آئیں، پھر ان کی وفات کے بعد ان کی تصنیف و تالیف کا کیا ہوا کام سامنے آیا وہ ایسا عظیم الشان تھا جو اپنی انہی بعض خصوصیات کے لحاظ سے علمی دنیا میں منفرد تھا، انھوں نے دینی نقطۂ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے احادیث شریفہ کا ایک انتخاب جن کا مسلمان کی عملی زندگی سے ربط ہے تیار کیا، اس کے علاوہ "تعلیم الاسلام" کے نام سے ایک مختصر کتاب اور رسالۃ الغناء جس میں نے کے متعلق شرع اسلامی کا نقطۂ نظر واضح کیا گیا ہے اور اردو شاعری اور اس کے مشہور اصحاب کی ایک جامع تاریخ جس میں شعراء کے حالات کے ساتھ ان کی کامیاب شاعری کا ایک اچھا انتخاب اور قابل تبصرہ پہلوؤں پر مبصرانہ تبصرہ شامل ہے "گل رعنا" کے نام سے تھا۔

لیکن ان کتابوں سے بھی بہت اہم کتابیں ان کی تین ہیں ایک میں ہندوستان کی ممتاز مسلم شخصیتوں کے حالات و سوانح حیات ہے، یہ ساڑھے چار ہزار اشخاص کے تذکروں پر مشتمل ہے اور آٹھ ضخیم جلدوں میں "نزہۃ الخواطر" کے نام سے ہے، اس میں پہلی صدی ہجری سے چودھویں صدی ہجری کے نصف تک کوئی ممتاز شخصیت چھوٹنے نہیں پائی، اس کے ساتھ مسلم عہد کے تمدنی تعمیری اور تعلیمی حالات، آثار قدیمہ اور دیگر خصوصیت جمع کی ہیں جو کتاب الہند فی العہد الاسلامی ہے، تیسری کتاب "الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند" کے نام سے ہندوستان میں رائج اور زیر تعلیم علوم و فنون کی مصنفہ کتب پر ہے اس میں

کتابوں کی فہرست اسماء کے ساتھ ساتھ علوم وفنون کی بھی تاریخ بتائی گئی ہے۔

یہ تینوں کتابیں ایک دوسرے سے مل کر برصغیر کا علمی وتاریخی انسائیکلوپیڈیا بن گئی ہیں۔ جس کی بنا پر مصنف رحمۃ اللہ علیہ اپنے اقران علما ومصنفین میں منفرد ہیں۔

مولانا کی دیگر کتابوں میں "یاد ایام" جو گجرات کے عظیم رہنماؤں اور دیگر لائق تعارف باتوں پر مشتمل ہے اور ارمغان احباب جو دہلی اور اس کے اطراف میں ان کے دورے کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ یہ دو آخر الذکر کتابیں گجرات اور دہلی کے اطراف کے حالات پر ادبیاتی کتابوں کی حیثیت رکھتی ہیں۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ جب اس ضخامت واہمیت کا حامل یہ علمی کارنامہ سامنے آیا تو دنیائے ان کے تصنیفی وتحقیقی امتیاز کو دیکھا اور محسوس کیا، ان کی کتابوں سے ادب وعلوم اجتماعیہ کے مصنفین ومحققین نے بہت فائدہ اٹھایا، کیونکہ ان کو ان تین کتابوں میں اپنے موضوع کا بوراذخیرہ پھیلا ہوا مل جاتا ہے۔

مولانا مرحوم نے نزھۃ الخواطر اور الہند فی العہد الاسلامی اور الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند عربی زبان میں لکھی کیونکہ وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ مشرقی زبانوں میں عربی سے زیادہ کوئی جادوانی نیز عالمی شہرت کی مالک نہیں، تو اس کو چھوڑ کر کسی بھی محدود یا کم عربی زبان میں ایسے اہم موضوع کو پیش کرنا زیادہ مفید نہیں۔

ان عظیم کتابوں کی اشاعت وشہرت کے بعد دنیا کی نظر میں مولانا مرحوم کا علمی وتصنیفی پایہ عیاں ہوا، اور ..... علم سے بہرہ ور دانشور حضرات نے اس ضرورت کا اظہار کیا کہ مولانا کے علمی کارناموں پر ایک تحقیقی مذاکرہ ہونا چاہئے تاکہ ان کے مخفی پہلو بھی ابھارے جاسکیں اور مولانا کی اپنی محدود زندگی میں ایسے وسیع کام کے انجام دہی کی خصوصیات نئے شائقین علم اور اصحاب تصنیف وتحقیق کے سامنے بطور نمونہ لائے جاسکیں۔

اتر پردیش کی اردو اکیڈمی نے جس کے چیرمین کئی زبانوں کے واقف وماہر دینی وثقافتی علوم سے واقف ادب اردو کے حق شناس پروفیسر محمد یونس نگرامی ہیں، مولانا عبدالحی حسنیؒ رائے بریلوی کے سبق آموز اور مفید علمی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لئے سیمینار منعقد کرنے میں سبقت دکھائی اور نہایت کامیابی اور شاندار روایت کے ساتھ سیمینار منعقد کیا، بعض وابستگان ادب اردو نے اپنے اس اندازہ کی بنا پر کہ مولانا کا غیر معمولی کام عربی میں ہے اعتراض کیا کہ ان کی قدردانی کے لئے اردو ادارہ پر بوجھ کیوں لیا گیا، لیکن چونکہ مولانا کا اردو میں بھی امتیازی کام ہے اور مولانا کی مادری اور عام علمی کام کی بھی زبان اردو ہی ہے اس لئے یہ اعتراض ناواقفیت ونادانی پر مبنی تھا یا ذاتی ناپسندیدگی کے اثر سے متاثر رائے ہے جو زبان کے نام پر ظاہر کی گئی ہے۔

بہر حال مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے علمی کارناموں پر سیمینار منعقد ہوا جس کو اکیڈمی کے چیرمین پروفیسر محمد یونس نگرامی نے اپنی صلاحیت علمی اور انتظامی ہنرمندی سے ایک نہایت شاندار سیمینار بنادیا، اور اصحاب علم میں سے ایک خاصی تعداد کے لئے متعدد امور نئی دریافت ثابت ہوئے جن میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے انسائیکلوپیڈیائی کام نیز اردو زبان کے آدمی ہونے کے ساتھ عربی زبان میں سلاست وبلاغت کے ساتھ زندگی کے مختلف پہلوؤں کی کامیاب ادائیگی، اور تحقیق وبیان واقعہ میں دیانت وحسن ادا اور اس کے ساتھ ساتھ اردو ادب سے بھی باکمال واقفیت اور اس کو بھی اپنے تصنیفی وتحقیقی کام میں شامل کرنے کی کامیاب کوشش ہے۔

سیمینار میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے لائق ترین اور جامع صفات وکمالات فرزند ارجمند مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ العالی بھی شریک ہوئے اور ان کی وجہ سے ملک وصوبہ کی کئی مقتدر شخصیتوں نے بھی شرکت کی، جس میں ایک سابق مرکزی وزیر راجیش پائلٹ اور صوبہ کی حکومت کے سربراہ اعلیٰ گورنر یوپی رمیش بھنڈاری قابل ذکر ہیں جنھوں نے نہ صرف یہ کہ سیمینار میں شرکت کی بلکہ اردو اکیڈمی کے اس عمل کو داد تحسین دی۔

دوروزہ سیمینار کے اختتام پر ندوۃ العلماء کی طرف سے جس کے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کامیاب ناظم رہے تھے، سیمینار کے مندوبین کو استقبالیہ اور عشائیہ دیا گیا جس میں مندوبین کے علاوہ شہر کے معززین کی ایک تعداد نے بھی شرکت کی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے اس موقع پر اظہار خیال کرتے ہوئے اپنے پدر بزرگوار کی خاموش علمی کاوش کے سلسلہ میں سبق آموز حالات بتائے اور اساتذہ وطلباء کو یہ بتایا کہ اگر کوئی بھی اخلاص ومحنت سے کام کرے تو اس کی کوشش رائیگاں نہیں جاتی اور قرآن مجید کی آیت سے اس کی دلیل دی۔

سیمینار میں ملک کی جن نامور علمی شخصیتوں نے شرکت کی ان میں پروفیسر خلیق احمد نظامی سابق صدر شعبۂ تاریخ وسابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور پروفیسر نثار احمد فاروقی سابق صدر شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی اور معروف محقق ومصنف خاص طور پر قابل ذکر تھے، سعودی عرب کے وزیر امور دینی ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن ترکی کے نمائندے احمد عبداللہ خلیفہ نے بھی شرکت کی ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ کے پروفیسر ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی معتمد تعلیم ندوۃ العلماء نے خصوصی حصہ لیا اور مولانا رحمۃ اللہ کے اردو کلام شعری پر مقالہ پیش کیا۔

تعمیر حیات میں سیمینار کے بعض مشتملات برائے افادۂ عام دیئے جارہے ہیں۔

مولانا حکیم سیّد عبدالحی صاحبؒ

ایک عظیم محقق ومؤرخ، اور علمی دنیا میں ہندوستان کا شاندار اور قابل فخر تعارف کرانے والی منفرد شخصیت کی حیثیت سے غیر جانبدارانہ تاریخی جائزہ اور تقابلی مطالعہ کی روشنی میں

حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی حسنی ندوی

ذیل کا مضمون حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا وہ خطبۂ صدارت ہے جس کو مولانا نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ ناظم ندوۃ العلماء پر اردو اکادمی کی طرف سے ۱۶ مارچ ۱۹۹۶ء کو ہونے والے سیمینار میں خود پڑھ کر سنایا۔ افادۂ عام کی غرض سے مضمون ہدیۂ ناظرین ہے۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

حضرات!

والد مرحوم (مولانا حکیم سید عبدالحی صاحبؒ ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء - ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء) کا ایک عظیم مؤرخ قدر کار نگار اور ہندوستان کا، نہ صرف عالم اسلامی، بلکہ علمی دنیا میں علمی، تصنیفی، تحقیقی، اصلاحی ودعوتی روحانی وباطنی اور علوم دینی وعقلی ولسانی میں ماہرانہ مجتہدانہ (RAIDICAL) کردار ادا کرنے سے روشناس ومتعارف کرنے والے مصنف کی حیثیت سے تعارف کرانے اور اس سلسلہ میں ان کے امتیازی کردار اور کارنامہ کا تذکرہ کرنے سے پہلے مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس کی طرف توجہ دلائی جائے کہ جہاں تک عربی زبان ولغت اور علوم اسلامیہ وشرعیہ، اور بیرون ہند کے اسلامی مصنفین ومحققین کی علمی کاوشوں میں شرکت کا تعلق ہے، ہندوستان کی مرکز اسلام اور زبان عربی وعلوم عربیہ واسلامیہ سے دوری، زبان کی بیگانگی، ترکی النسل وفارسی اللسان خاندانوں کی طویل حکمرانی، اور خود ایک قدیم اور باثروت زبان اور ایک مستقل تہذیب کا گہوارہ ہونے کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمان دانشوروں، مصنفین ومحققین کی علمی کاوشوں، علوم اسلامیہ ہی نہیں بلکہ (جہاں تک عربی زبان کا تعلق ہے) ادبی اور لسانی میدانوں میں بھی مجتہدانہ کردار ادا کرنے میں کسی انفرادیت (UNIQE FEATURE) اور خلاف توقع وقیاس کامیابی اور ندرت پائی جاتی ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے اس تاریخی اور طبعی حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ داعیان اسلام اور عربی النسل مسلمانوں کی فتوحات، جن قریب کے ملکوں میں پہونچیں، وہاں کی زبان عربی ہوگئی اور ان میں جزیرۃ العرب میں (جہاں تک کتاب وسنت اور علوم اسلامیہ وادبیہ سے متعارف ومانوس ہونے اور ان میدانوں میں اپنے جوہر ذہانت ومحنت کے اظہار کا تعلق ہے) کوئی فرق نہیں رہا، قرب مکانی اور وحدت لسانی نے ان کو ایک سلک میں منسلک اور ایک مشترک دینی، لسانی، علمی وادبی خاندان کا فرد بنادیا۔

اس سلسلہ میں مصر وشام اور عراق کا نام لیا جاسکتا ہے، جہاں علوم اسلامیہ وادبیہ میں صدہا کی تعداد میں ماہرین فن، عالم وفقیہ، ادیب وشاعر، مصنف ومحقق پیدا ہوئے ان ممالک اور سیاسی وعلمی مرکزوں میں (جہاں تک ابتدائی اسلامی صدیوں کا تعلق ہے) عراق کا حصہ سب سے زیادہ اور اس کا تفوق وامتیاز سب سے نمایاں ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ خلافت عباسیہ کا قیام اور بغداد کا مرجع خاص وعام اور علماء ومجتہدین کا گہوارہ ہونا ہے۔ یہیں بعض عالمگیر مذاہب فقہیہ کے بانی ومجتہد اور متعدد علوم وفنون عربیت کے واضعین نصاب اور علمی مراجع ومآخذ کے مصنف پیدا ہوئے جن کی فہرست طویل ہے۔

اس کے بعد مصر وشام کا نمبر آتا ہے، وہاں بھی کثیر تعداد میں ماہرین فن، مصنف ومحقق اور عربی زبان کے ادیب وشاعر پیدا ہوئے، تاریخ وسیر اور مشاہیر فن کے موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں ان کے نام اور کارنامے دیکھے جاسکتے ہیں۔

ان قریب المکان اور متحد اللسان ملکوں کے علاوہ شمالی افریقہ کی وہ پٹی ہے جو سوڈان اور لیبیا سے شروع ہوکر مراکش تک جاتی ہے اور جس میں طرابلس، تونس، الجزائر اور مراکش ہیں، یہاں کی زبان بھی عربی ہوگئی اور کثرت سے علماء اور ماہرین فن مصنفین، اہل قلم اور ادیب وشاعر پیدا ہوئے، یہ پورا خطہ "المغرب الاقصیٰ" کہلاتا ہے اور وہاں بھی عربی زبان اور علوم اسلامیہ کے

ماہر، تسلسل کے ساتھ پیدا ہوتے رہے اور وہ اسلامی کتب خانہ میں بھی اضافہ کرتے رہے۔

ان متحد اللسان ممالک کے علاوہ جن کی زبان خالص عربی ہوگئی مشرق وایشیا کے ممالک کا وہ سلسلہ بھی ہے جن کی زبان غیر عربی (ترکی، فارسی وغیرہ) تھی، ان ممالک میں ترکستان، ایران، افغانستان اور ہندوستان کا نام لیا جاسکتا ہے، ان کے لئے علوم اسلامیہ سے ذہن کا مولد و گہوارہ، منبع اور سرچشمہ، حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب رہے ہیں) ہے، بُعد مکانی بھی تھا اور اختلاف لسانی بھی، ان میں عربیۃ اللسان علوم اسلامیہ کے ماہرین، محققین، راسخین فی العلم اور عربی میں تصنیف کرنے والے علماء کا پیدا ہونا محض قدرت وتائید الٰہی کا کرشمہ اور قوت ایمانی، ذاتی محنت وکاوش اور مہارت علمی کا نتیجہ تھا۔

ان ملکوں میں سب سے پہلے ایران کا نام آتا ہے جس سے وطنی اور نسلی تعلق رکھنے والے بعض افراد کو علوم اسلامیہ وعربیہ میں امامت واجتہاد کا درجہ حاصل ہوا اور ان کے قلم سے بعض ایسی بنیادی تصنیفات نکلیں جنھوں نے خود عالم عربی وعالم اسلام میں بنیادی ونصابی مرتبہ حاصل کیا، مگر یہ سب وہ لوگ تھے جن کا نسلی تعلق ایران سے تھا مگر ان کا نشو ونما بغداد میں ہوا اور وہیں ان کی ذہانت ومحنت کے جوہر کھلے اور ان سے اہل عرب ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کے طالبان علوم عربیہ نے فائدہ اٹھایا، ان میں سیبویہ (جیسا امام نحو بھی ہے جس کی کتاب "الکتاب" نحو کی ایک بنیادی ونصابی کتاب ہے اور اس علم میں سند ومرجع کی حیثیت رکھتی ہے، وہ صوبہ فارس کے ضلع شیراز کے ایک قصبہ کا باشندہ تھا، پھر عبدالقاہر جرجانی کا نام آتا ہے جس کی کتاب "دلائل الاعجاز" فن بلاغت میں ایک سند اور مرجع کی حیثیت رکھتی ہے، وہ بھی اصلاً جُرجان (گرگان) کا باشندہ تھا جو موجودہ ایرانی صوبہ استرآباد کا حصہ ہے، ان کے علاوہ قرآن کے دو ممتاز ترین اور عالم گیر شہرت رکھنے والے مفسر ابوالقاسم جاراللہ محمود الزمخشری الخوارزمی (م ۵۳۸ھ) اور امام فخرالدین الرازی (م ۶۰۶ھ) بھی نسلاً ایرانی اور درساً وتصنیفاً بغدادی ہیں۔ ان دونوں کے علاوہ عربی کے ایسے ادیب اور اہل قلم پیدا ہوئے جن کا خود عرب ادباء وناقدین نے لوہا مانا اور ان کو ادب عربی کے نصاب میں شامل کیا گیا، ان میں "کلیلہ ودمنہ" (جو سلیس وشیریں عربی زبان کا ایک نمونہ ہے) کا مصنف عبداللہ ابن المقفع اور ابوبکر الخوارزمی اور بدیع الزماں الہمدانی بھی ہیں، جن کے رسائل ادب عربی کے مؤقر اور قابل قدر نمونوں میں سمجھے جاتے ہیں۔

ایران کے بعد جس کے فرزندوں نے مرکز عربیت بغداد وغیرہ جاکر نام پیدا کیا) ترکستان کا نمبر آتا ہے، جس نے علوم دینیہ اور خاص طور پر حدیث وفقہ سے اپنے شغف اور ان میں مہارت ہی نہیں بلکہ امامت وپیشوائی کے وہ نمونے پیش کئے جن کو پورے عالم اسلام نے سرآنکھوں پر رکھا اور وہ دینی نصاب تعلیم کا ایسا لافانی جزء بن گئے کہ جن کو کبھی علاحدہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ ان سے استغناء برتا جاسکتا ہے، ان میں امام محمد بن اسماعیل البخاریؒ کی الجامع الصحیح (جو صحیح بخاری کے نام سے مشہور ہے) اور علامہ علی ابن ابی بکر الفرغانی المرغینانی (م ۵۹۳ھ) کی کتاب "ہدایہ" ہے، جو فقہ حنفی کی بنیادی نصابی کتاب اور مرجع خواص وعوام ہے، حدیث وفقہ کے علاوہ جو (اسلام کے بنیادی علوم ہیں اور رہیں گے) ہمیں ترکستان کے دوسرے فنون میں مجتہدانہ اور ماہرانہ کتابوں کا زیادہ علم نہیں، اس کا امکان ہے کہ دوسرے موضوعات پر بھی ترکستانی علماء کی ممتاز تصنیفات ہوں، اس کے لئے مزید مطالعہ وتحقیق کی ضرورت ہے۔

اب ہم ہندوستان کی طرف آتے ہیں یہاں بُعد مکانی اور اختلاف لسانی کے باوجود جو اسلامی علمی ملکوں سے بھی بڑھا ہوا ہے جن کا اوپر ذکر آیا ہے اور وہ ایک قدیم تر تہذیب اور مستقل زبان (سنسکرت) کا مرکز بھی تھا، یہاں متعدد علوم اسلامیہ پر ایسی تصنیفات وجود میں آئیں جن کی نظیر نہ عالم عربی میں پائی جاتی ہے نہ عالم اسلامی میں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے ساتویں صدی ہجری (تیرہویں صدی عیسوی) کے مشہور مصنف، امام لغت وحدیث حسن بن محمد الصغانی کی کتاب "العباب الزاخر"، دسویں صدی ہجری (سولہویں صدی عیسوی) کے مشہور محدث شیخ علی بن حسام الدین المتقی برہان پوری (شیخ علی متقی گجراتی) کی کتاب "کنز العمال"، علامہ محمد طاہر پٹنی (م ۹۸۶ھ)۔ "مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل ولطائف الأخبار" اور ان کی دوسری کتاب "تذکرۃ الموضوعات" کا نام لیا جاتا ہے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ علمی وفنی اصطلاحات کی علوم میں کیا اہمیت ہے ان کے بارے میں سطحیت وکم علمی اور ان کے محل استعمال سے ناواقفیت کتنے بڑے علمی وتشریعی نقصان کا موجب ہوسکتی ہے اور کسی غیر راسخ العلم کے لئے ان کی تشریح کتنا دشوار اور نازک کام ہے، جس میں ذرا سی لغزش پورے مدعا کو نقصان پہونچا سکتی ہے، ان علمی اصطلاحات پر ردوہی کتابیں سند کا درجہ رکھتی ہیں اور اپنے مصنفین کے علمی رسوخ اور باریک بینی کا ثبوت دیتی ہیں، وہ دونوں ہندوستانی فاضلوں کی تصنیف ہیں، ایک مولانا محمد اعلیٰ تھانوی کی کتاب "کشاف اصطلاحات الفنون"

ہے، دوسری مولانا عبدالنبی احمد نگری کی "جامع العلوم" ہے جسے "دستور العلماء" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

پھر ایک بڑا جرأت مندانہ وحوصلہ مندانہ کام ایک ہندوستانی نژاد کے لئے عربی زبان ولغت پر تحقیق وتصنیف کا اقدام ہے، اس کا حیرت انگیز نمونہ علامہ سید مرتضیٰ بلگرامی (م ۱۲۰۵ھ) کی (جو زبیدی کے نام سے مشہور ہیں) "تاج العروس فی شرح القاموس" ہے جو دس ضخیم جلدوں میں ہے اور باریک مصری ٹائپ کے تقریباً پانچ ہزار صفحات پر مشتمل ہے[۱۳] یہ کتاب عربی لغت کے فن میں ایک مستقل کتب خانہ کی حیثیت رکھتی ہے، اول تو عربی زبان کے لغت پر کسی ہندی عالم کا قلم اٹھانا ہی بڑی علمی جسارت تھی، چہ جائیکہ امام لغت علامہ مجدالدین فیروز آبادی کے مسلّم ومستند عربی قاموس "القاموس المحیط" کی شرح کی تکمیل، اس پر اضافہ، اس کی تصحیح علامہ سید مرتضیٰ بلگرامی کی بلند حوصلگی، علمی تبحر اور بے نظیر زبان دانی کا ایک کارنامہ ہے۔ مصنف کی زندگی میں اس کتاب نے اتنی عالم گیر شہرت حاصل کرلی تھی کہ سلطان ترکی نے اس کا ایک کارنامہ ہے۔ مصنف کی زندگی میں اس کتاب نے اتنی عالم گیر شہرت حاصل کرلی تھی کہ سلطان ترکی نے اس کا ایک نسخہ نقل کراکر منگایا، اس کے علاوہ سلطان دارفور اور سلطان مراکش نے بھی ایک ایک نسخہ حاصل کیا، مصر کے مشہور فوجی قائد اور علم دوست رئیس محمد بک ابوالذہب نے بھی ایک نسخہ اپنی مسجد (جو جامع ازہر کے قرب بنائی گئی تھی) کے کتب خانہ کے لئے ایک ہزار ریال صرف کرکے حاصل کیا۔

ان فنی اور ادبی کتابوں کے بعد ایک بڑی تحقیق کوتاہی اور تاریخی وعلمی ناانصافی ہوگی کہ ان دو کتابوں کا ذکر نہ کیا جائے جو بارہویں صدی ہجری کے نصف آخر کے فخر ہندوستان بلکہ فخر زمانہ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) کی تصنیف ہیں، یہ دو مجتہدانہ کتابیں حجۃ اللہ البالغہ (جو شریعت اسلامی کی مربوط ومدلل ترجمانی اور اسرار ومقاصد حدیث کی نقاب کشائی اور فرائض وارکان اسلام کے اسرار وحکم کی نشان دہی پر مشتمل ہے) اور "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" ہے جو نظام خلافت کی ضرورت وافادیت اور خلفائے راشدین کی خلافت کے ثبوت اور ان کے احسانات وکارناموں پر مشتمل ہے اور جس میں اسلام میں خلافت کی حیثیت ومقام سے بحث کی گئی ہے اور خلافت کی جامع ومانع تعریف کی گئی ہے۔

لیکن ہندوستان کی اس انفرادیت اور علوم اسلامیہ اور تصنیف وتحقیق کے دائرہ میں فیاضت وعظمت کے باوجود غالباً بعد مکانی اور اختلاف لسانی ہی کی وجہ سے عرب مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے ہندوستان کے اہل کمال مصنفین ومحققین اور خادمین علم ودین کا اپنی تاریخ وسیر وتراجم کی کتابوں میں بہت کم ذکر کیا ہے، جس کا ایک نمونہ یہ ہے کہ علامہ شوکانی یمنی نے ہندوستان سے قریب ہوتے ہوئے بھی "البدر الطالع" میں ساتویں صدی سے لے کر بارہویں صدی تک ہندوستانی علماء میں سے صرف سات کا ذکر کیا ہے، مُبّی نے "خلاصۃ الأثر" میں گیارہویں صدی کے علماء میں سے چھ[۱۴] کا، مرادی نے "سلک الدرر" میں بارہویں صدی کے صرف سات علماء کا تذکرہ لکھا ہے۔

ضرورت تھی کہ کسی ہندوستانی عالم کے قلم سے عربی میں ہندوستان کے علوم اسلامیہ سے شغف، خدمت اور ان میں امتیاز اور اس سلسلہ میں پیدا ہونے والی نادرۂ روزگار شخصیتوں کا تعارف ہو، اور ان کے علمی، تحقیقی، اصلاحی وتجدیدی اور وطنی خدمات کو سامنے لایا جائے، جس سے عالم اسلامی (عالم عربی کے ساتھ) ناواقف ہے اور اس میں نہ صرف ہندوستان کے اسلامی عہد کی ناشناسی وناقدری کا اظہار ہوتا ہے بلکہ دین اسلام، دعوت اسلامی اور علوم اسلامیہ کی مردم آفرینی، کیمیاگری، حیات افروزی اور وطن دوستی کی خصوصیت سے بھی ناآشنائی پیدا ہوتی ہے۔

مولانا حکیم سید عبدالحی صاحبؒ نے اسی احساس کے ماتحت اور اسی جذبۂ خدمت سے "نزھۃ الخواطر وبھجۃ المسامع والنواظر" کے نام سے آٹھ جلدوں میں کتاب تصنیف کی، جس میں ساڑھے چار ہزار سے زائد شخصیتوں کے تراجم ہیں، اور جو پہلی صدی ہجری کے نصف تک کے اعیان واہل فضل وکمال کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔ اس کی تصنیف میں مصنف نے جن مآخذ سے فائدہ اٹھایا ہے ان کی تعداد تین سو کتابوں سے کم نہیں ہے اور وہ عربی، فارسی اردو وترکی زبانوں میں ہیں۔

یہ کتاب تحقیقی، مطالعاتی اور معلوماتی حیثیت سے بھی، پھر اپنے توازن واعتدال، تنقید واعتراف، زبان کی سلاست وحلاوت، خصائص وامتیازات کی نشان دہی، علمیہ واخلاق کی مصوری، اور سب سے بڑھ کر مؤرخانہ غیر جانبداری وبے تعصبی میں (جہاں تک راقم کے مطالعہ ومعلومات کا تعلق ہے اور جہاں تک ہندوستان بلکہ بیرون ہند تک کے تاریخی تذکروں اور سیر وتراجم کی کتابوں کا تعلق ہے) بہت کم اپنی نظیر رکھتی ہے، زبان کی صحت وسلاست کا (جو ایک ایسے ہندوستانی نژاد عالم ومصنف کے لئے بڑی نادر بات ہے جس نے ہندوستان سے باہر قدم نہیں نکالا) یہ ایک بڑا نادر نمونہ اور امتیاز ہے۔

اس کتاب کے اجزا میں اس کی آخری (آٹھویں جلد) کی تصنیف اور بھی نازک کام تھا جو چودہویں ہجری کے مشاہیر اور مصنف کی معاصر شخصیتوں کے ساتھ مخصوص ہے، ان کے تعارف میں توازن و اعتدال، حقیقت نگاری اور اعتراف و تنقید سب بڑے نازک کام تھے، جس کو مصنف نے بڑی کامیابی کے ساتھ انجام دیا، اور اس طرح پوری کتاب ایک شاہدِ عدل اور ایک صادق اللسان اور جری القلب ترجمان و معرّف کا کام دیتی ہے اور نہ صرف عالم عربی اور عالم اسلامی بلکہ پوری علمی دنیا اور تاریخ و تذکرہ اور مختلف ممالک کی دینی و علمی و تحقیقی و تصنیفی کارناموں سے ذوق و شغف رکھنے والے حلقوں اور اشخاص کے لئے ایک بڑا تحفہ، مجموعۂ معلومات اور مصوّرِ اشخاص و اہل کمال ہے۔

اس موقع پر (کم سے کم اسلامی و عالم عربی میں) تذکرہ نگاری اور سیرت نویسی کے طویل سلسلہ کے علمی و منصفانہ جائزہ کے اس نتیجہ کا (معذرت کے ساتھ) اظہار کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پورے عالم عربی میں (مراکش سے لے کر یمن تک، جہاں تک راقم سطور کے علم و مطالعہ کا تعلق ہے) کوئی تذکرہ یا تاریخی جائزہ ایسا نہیں ملتا جو پہلی صدی ہجری سے یا اس کے بعد ایک دو صدی سے لے کر مصنف یا تصنیف کے عہد تک کے اعیان اور مختلف طبقات و فنون کی ممتاز شخصیتوں کے تذکرے و تعارف پر مشتمل ہیں، اس سلسلہ میں علامہ حافظ ابن حجرؒ کی "الدُّرَرُ الکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنۃ" سخاوی کی "الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع"، حضرمی کی "النور السافر فی رجال القرن العاشر"، محبّی کی "خلاصۃ الأثر فی اعیان القرن الحادی العشر"، مرادی کی "سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر" کا نام لیا جا سکتا ہے، یا پھر ایک صدی کے تعین کے بجائے کسی ایک فن یا موضوع کو لیا گیا ہے، مثلاً شعر و ادب، قواعدِ صرف و نحو، شعر و شاعری، طبّ و معالجہ، فتوحات و شہ سواری وغیرہ، اور ان پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں[۵]، جن میں اسی میدان کے شہ سواروں اور ماہرینِ فن کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

مولانا سید عبدالحی صاحبؒ کا دوسرا علمی کارنامہ ان کی کتاب "معارف العوارف فی انواع العلوم والمعارف" ہے جو دمشق کی مؤقر علمی اکیڈمی "المجمع العلمی العربی"[۶] کی طرف سے ۱۹۵۸ء میں "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند" کے نام سے شائع ہوئی اور اس وقت تک اس کے دو ایڈیشن نکلے ہیں، یہ ہندوستان میں علم و تعلیم کی تاریخ اور ہزار سالہ اسلامی عہد کے مصنفین اور تصنیفات و تحقیقات کا تعلق ہے) سب سے زیادہ جامع ماخذ اور ذخیرہ ہے، یہ محض تصنیفات کی کوئی خشک فہرست نہیں ہے، جس میں صرف کتابوں کے نام پر اکتفا کیا گیا ہو، پہلے ہر علم کی تعریف و تاریخ بیان کی گئی ہے اور اس علم کی مستند و مشہور اور معیاری کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے پھر اس موضوع پر علمائے ہند کی تصنیفات کا ذکر و جائزہ ہے، شروع میں قدیم نصابِ تعلیم کا مکمل نقشہ پیش کیا گیا ہے اور اس کی عہد بعہد تبدیلیوں اور ان کے محرکات و اسباب کی نشان دہی کی گئی ہے تنہا یہی ایک مستقل علمی کارنامہ اور تاریخی تحقیق (RESERCH) کا شاندار نمونہ ہے، شرق اوسط اور عالم اسلام میں ہندوستان کو اس حیثیت سے متعارف اور مسلمانوں کی علمی و دینی خدمات سے واقف کرنے کا اس سے بہتر ذریعہ نہیں ہے[۷]

مصنف کی تیسری محققانہ کتاب عربی میں "جنۃُ المشرق و مطلعُ النور المشرق" جو ہزاروں صفحات کا نچوڑ اور مصنف کے عمر بھر کے مطالعہ کا خلاصہ ہے، یہ ہندوستان کے اسلامی عہد کا ایک چھوٹا سا دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) ہے جس سے اس ملک کے اسلامی عہد کی پوری تصویر ابھر کر سامنے آجاتی ہے اور مسلمان سلاطین اہل کمال و ماہرین فن کے تمدنی، تعمیری اور انتظامی کارنامے بیک نظر سامنے آجاتے ہیں، ملک کا جغرافیہ، اس کی پیداوار اور حاصلات، موسم، سکے، تقریبات و رسوم، مسلمان سلاطین کے زمانہ کا نظم و نسق اور آئین و قانون، ان کے رفاہ عام کے کام اور اس ملک کی آراستگی و شائستگی میں ان کا حصہ سامنے آجاتا ہے، یہ ان تاریخوں کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے جو مختلف ملکوں میں خُطَط کے نام سے لکھی گئی ہیں، جن میں مقریزی کی "خُطَطُ مصر" اور کرد علی کی "خُطَط الشام" مشہور ہے، یہ کتاب دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد کی طرف سے "الھند فی العھد الاسلامی" کے نام سے شائع ہوئی، اس کا اردو ترجمہ "ہندوستان اسلامی عہد میں" کے نام سے مجلس تحقیقات و نشریاتِ اسلام لکھنؤ کی طرف سے شائع ہوا۔

آخر میں ہم ان کی اردو تصنیفات میں سے "تذکرہ شعرائے اردو" کے موضوع پر ان کی معرکۃ الآرا تصنیف "گلِ رعنا" اور تاریخ گجرات پر ان کی بیش قیمت کتاب "یادِ ایام" کا حوالہ دے کر ان کے تصنیفی و تحقیقی کارناموں کا تذکرہ ختم کرتے ہیں کہ سب اردو داں اصحاب اور شائقین علم و تحقیق ان دونوں کتابوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں اور ان کے علمی و تصنیفی امتیازات اور نقد و تحقیق سے واقفیت پیدا کر سکتے ہیں[۸]

اس حقیقت پسندانہ اور غیر جانبدارانہ تاریخی جائزہ اور مولانا حکیم سید عبدالحی صاحبؒ کی تنہا اپنی محنت اور مطالعہ سے اور اپنے علمی شغف

و ذوق اور دین و وطن کی خدمت کے جذبہ سے کتابوں کی تعداد کے لحاظ سے "کم قامت"[۹] لیکن "بیش قیمت" کتب خانہ کو وجود میں لے آنے کے کارنامہ پر اور اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے کہ ان کا کوئی معاون اور شریک کار نہیں تھا اور انھوں نے صرف ۵۴ سال کی عمر پائی جس میں مطب کی مشغولیت بھی تھی اور ندوۃ العلماء جیسے عظیم و وسیع مجلس و ادارہ کی نظامت کی ذمہ داریاں بھی، یہ عظیم کام انجام دیا، ایک نکتہ شناس کا یہ مقولہ ان پر صادق آتا ہے "جو کام یورپ میں "اکیڈمی" کرتی ہے مشرق و ایشیا میں بعض اوقات "ایک آدمی" کر لیتا ہے"

ان معلومات و حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے اور مرحوم کی عظیم و وسیع تصنیفات کا جائزہ لیتے ہوئے، جن سے نہ صرف ایک ملت اور آبادی کے ایک عنصر کا کارنامہ سامنے آتا ہے اور اس کی صلاحیتِ کار، محنت اور ذوقِ علمی پر روشنی پڑتی ہے، ہندوستان کا نام بھی علمی دنیا میں روشن ہوتا ہے اور بڑی حد تک اس کی مردم خیزی، کسی عنصر کے لئے بھی اظہار حال و کمال کی کوشش کی آزادی اور علمی و تحقیقی فضا کی موجودگی اور اس کے وسائل کی فراوانی پر بھی روشنی پڑتی ہے، جو کسی آزاد و باعزت ملک کے لئے بڑے فخر و شکر کی بات ہے، اس لئے ایسی علمی مجالس اور مذاکرۂ علمی کی تقریبات کا منعقد ہونا اور اس میں ملک کے (بلا اختلاف مذہب و ملت) فضلاء و اہل ذوق کی شرکت، ہر طرح سے قرینِ قیاس بلکہ ایک علمی، ادبی، تحقیقی، وسیع النظری اور وسیع القلبی کا مظاہرہ ہے، اس لئے راقم سطور (جس کو مولانا مرحوم سے نسبی و خاندانی تعلق بھی ہے اور مطالعہ و استفادہ کا رشتہ بھی) اس سیمینار کی دعوت دینے والوں، منعقد کرنے والوں اور ملک کے ان قدر شناسوں اور حقیقت بینوں کی شرکت، تعاون اور قدر افزائی کا اعتراف بھی کرتا ہے اور شکریہ بھی ادا کرتا ہے۔

---

[۱] امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ مراد ہیں جن کا مستقر بغداد ہی تھا۔

[۲] اصل نام عمرو بن عثمان بن فہر تھا۔

[۳] حال میں کویت کی طرف سے یہ کتاب کچھ اضافوں اور تحقیق کے ساتھ بیس جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

[۴] اب یہ کتاب "الإعلام بمن فی تاریخ الہند من الاعلام" کے نام سے دار عرفات رائے بریلی کی طرف سے شائع ہوئی ہے جو موضوع کتاب کی زیادہ واضح تعبیر ہے۔

[۵] کسی خاص موضوع یا میدان سے مخصوص کتابوں کے سلسلہ میں علامہ محمود حسن خاں ٹونکیؒ کی جلیل القدر کتاب "معجم المصنفین" کا تذکرہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کتاب ساٹھ جلدوں میں ہے، چالیس ہزار مصنفین کا ذکر ہے، صفحات کی مجموعی تعداد بیس ہزار ہے صرف چار اجزا بیروت میں طبع ہوئے۔

[۶] اب اس کا نام مجمع اللغۃ العربیۃ ہو گیا ہے۔

[۷] کتاب کا اردو ترجمہ مولانا ابو العرفان صاحب ندوی مرحوم کے قلم سے "اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں" کے نام سے دار المصنفین اعظم گڑھ سے ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔

[۸] اس کے لئے "حیاتِ عبدالحیؒ" ص ۳۰۶ سے ۳۳۷ کا مطالعہ مفید ہوگا۔

[۹] کتابوں کے موضوع کے تنوع اور ان کے مجموعی صفحات کی تعداد کے لحاظ سے ان کو کم قامت بھی نہیں کہا جا سکتا۔

تعمیر حیات
اپنی نئی نسلوں کو عالمی حالات سے باخبر رکھنے کیلئے تعمیر حیات کے مطالعہ کی ترغیب دیجئے

دل کی گہرائیوں میں اتر جانے والا
مٹھاس کی دنیا میں ایک ہی نام
طہورا سوئیٹس
جہاں کی مٹھائیاں ہر دل کو بھا رہی ہیں
اسپیشل مٹھائیاں
• افلاطون • نان خطائیاں • ڈرائی فروٹ برفی
• انجیر برفی • اخروٹ برفی • ملائی برفی
• ملائی مینگو • پانا پل حلوہ • دودھی حلوہ
• گلاب جامن نیز قسم قسم کے لڈو اور مختلف قسم کی مٹھائیاں۔
۲۲۵/۳۵، بلاسس روڈ، ناگپاڑہ جنکشن، بمبئی ۸
فون نمبر:- ۳۰۸۲۷۷۳ - ۳۰۹۱۳۱۸

عمدہ کاغذ، رعایتی قیمت، بہترین سائز۔
حرمین
اردو کاپی
NOTE BOOK
ملنے کا پتہ:-
مکتبۃ الحرمین مسجد مرکز والی ڈاکٹر بی این ورما روڈ امین آباد لکھنؤ۔
مذکورہ بالا پتے سے تعمیر حیات جاری کرا کے رسید حاصل کر سکتے ہیں۔ صبح ۹ بجے سے رات ۸ بجے تک
فون نمبر: ۲۱۷۹۵۶

مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ
کا

سفرنامۂ حج و زیارت

(۲)

گنبد خضراء کے بارے میں مولانا محمد ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

"پھیلی ہوئی آبادی، اور وسط میں مسجدِ نبوی، پانچ منارے اس میں گنبد خضراء معلوم ہوتا ہے، کہ جیسے انگوٹھی میں نگ ہو، چاروں طرف پروانے ہوں، بیچ میں ایک شمع، ایک چاند اور چاروں طرف تارے۔"

مولانا مرحوم قاری کی توجہ اس دیارِ پاک کی عظمت کی طرف کراتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"خیال تو کیجئے، یہ سامنے جو دیارِ پاک نظر آرہا ہے، یہ کون سی بستی ہے، کیا حقیقت میں یہی پاک طیبہ ہے جس کے دیدار کو لاکھوں آنکھیں ترس گئیں مگر دیدار نصیب نہ ہوسکا، جس کی حسرت میں نامعلوم کتنوں نے جان دے ڈالی، ہزاروں شعراء نے نعتیں کہیں، دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے ہزاروں آرزوئیں ناکام رہیں۔ آج اس کا دیدار یہ گنہگار آنکھیں کر رہی ہیں، اسی کے دیدار میں تو شہیدی نے یہاں پہونچ کر جان دی۔ اور ان کی دیرینہ تمنا پوری ہوئی تمنا ہے درختوں پر ترے روضہ کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا۔
زہے قسمت آج وہ دیارِ پاک نظروں کے سامنے ہے۔ جہاں آج سے تیرہ سو برس پہلے خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم چلا پھرا کرتے تھے، جہاں صحابۂ کرامؓ کے چلنے پھرنے کی آوازیں ابھی تک آتی ہیں۔"

اور کہتے ہیں:

آج ہم دیارِ محبوب میں ہیں، اللہ اللہ اس کے در و دیوار، خاک اور خاک کے ذرہ سے محبوبیت ٹپک رہی ہے۔ یہاں پہنچ کر وطن کی یاد ہے نہ وطن والوں سے محبت ہے، محبت ہے تو یہیں والوں سے ؎

ہم اس کوچہ کے ہر ذرہ کو اپنا دل سمجھتے ہیں

حاصل کلام یہ ہے ؎

خاک یثرب از دو عالم خوشتر ست
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر ست"[1]

یہ تو تھا مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ پہونچنے کا حال، مدینہ میں کیا دیکھا، اور کس چیز نے محفوظ کیا، اور کس چیز نے متوجہ کیا اور فکر میں ڈالا اس کے بھی چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیے، مولانا لکھتے ہیں:

"میں ہوں اور مسجد نبوی کا وسیع صحن ہے صحن میں رلہ پر سیکڑوں لوگ ایک ایک دو دو چار چار چند قدموں کے فاصلے پر بیٹھے یاد خدا میں مشغول ہیں، کوئی تلاوت کلام پاک میں مشغول ہے، کوئی وظیفہ میں، اور ہمارے بعض ہندوستانی سیاسی گتھیاں سلجھانے میں مشغول۔ ایک دوسرے پر تبصرے، تنقید اور تنقیص فرما رہے ہیں، ان کے نزدیک غالباً ان مبارک کاموں کے لئے مسجد نبوی سے بڑھ کر اور کوئی جگہ نہیں۔ صلوٰۃ و سلام کے لئے پہلے مردوں کا ہجوم پھر عورتوں کا تار لگتا ہے۔ ایک ایک معلم کے سپرد بیسٹی بیسٹی دسٹی دسٹی زائرین رہتے ہیں۔ کوئی نماز پڑھ کر قیامگاہ کو جا رہا ہے، کوئی بیٹھا اشراق کا انتظار کر رہا ہے، بہر حال یہ صبح کا وقت مسجد نبوی کا عجیب پُر لطف، دلکش اور دلچسپ ہوتا ہے، پورا رملہ کا حصہ آدمیوں سے بھرا ہوا ہے، اور آوازوں سے گونج رہا ہے۔"

حرم نبوی کے دو دلکش وقت کے تحت لکھتے ہیں۔

"مسجد نبوی کی یوں تو ہر جگہ اور یہاں کا ہر وقت دلچسپ گزرتا ہے، مگر صحن مسجد میں دو وقت ایسے دلچسپ اور سہانے ہوتے ہیں کہ جن کے ذکر سے قلم قاصر ہے، اس کا حقیقی لطف وہی اٹھا سکتا ہے، جس کو یہاں آنا نصیب ہو جائے۔ ۱۔ بعد نماز فجر ۲۔ بعد نماز مغرب، ان دو وقتوں میں اگر کوئی اس مبارک صحن کا نظارہ کرے تو اس کے دل و دماغ کو ایسی فرحت اور ایسا انبساط ہوگا، جو غالباً بڑی بڑی دلچسپ سیر گاہوں میں نہ ہوگا، یہ ضرور ہے کہ یہ انبساط اسی کے حصہ میں پوری طرح جلوہ گر ہوگا، جو خدا اور اس کے رسول کو پیارا، اور دینی فضا کو محبوب جانتا ہو۔

یہ ٹھنڈی اور سہانی صبح کو ہزاروں کبوتروں کا اڑنا اور بیٹھنا، ایک ساتھ دانہ چگنا۔ انسانوں سے مل کر چلنا پھرنا، عجب بھلا معلوم ہوتا ہے، جس وقت یہ خوشنما جانور

---

[1] "تعمیر حیات لکھنؤ بابت نومبر دسمبر ۱۹۷۶ء۔

ایک سے ایک جڑ کر بیٹھتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ سیاہ رنگ کا ایک قالین جس پر ہلکے رنگ کے بوٹے جڑے ہیں، بچھا ہے۔ مغرب کو اگرچہ کبوتروں کا پتہ نہیں ہے۔ مگر بجلیوں کی روشنی کے نیچے انسانوں کا ایک جنگل، جو اللہ کی عبادت میں مشغول ہے، آگے صراحیاں رکھی ہیں اور لوگ کہیں جمع ہو کر اور کہیں اکیلے اکیلے عبادت و تلاوت میں محو ہیں۔"

مولانا مرحوم نے جب یہ سفر کیا تھا انہی ایام میں تقسیم ہند کی وجہ سے ہندوستان میں ہولناک فسادات رونما ہوئے تھے، اور آباد گھر اُجڑ گئے تھے، خون خرابہ اور لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔ دیار عرب میں جو لوگ تھے، خاص طور سے وہ لوگ جو زیارت حرمین کے لئے گئے ہوئے تھے۔ انھیں ان غیر انسانی باتوں پر رنج و ملال کے ساتھ فکر و تشویش تھی چنانچہ مولانا اس سلسلہ میں ہندوستان کے ماحول اور مدینۂ طیبہ کی فضا کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"۲ر ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ بروز چہارشنبہ، نماز عصر کے بعد سورۂ یٰسٓ کا ختم شروع کیا گیا ہے، ہندوستان کے ہولناک فسادات اور ناگوار حوادث کی خبروں سے کافی تشویش ہے، اسی بنا، پر یہ ختم شروع ہوا ہے۔ اللہ اس سورۃ کی برکت سے اور اس مقدس ذات جو سامنے ہی گنبد خضراء میں آرام فرما ہے اس کی برکت سے اسلام اور مسلمانوں کو غالب اور کفار کو مغلوب فرمائے، مدینہ منورہ الحمد للہ ان تمام شر و فساد سے مامون ہے۔ نہ یہاں کسی کافر لعین کا کھٹکا، نہ لٹیروں اور فسادیوں سے کوئی خطرہ نہ آپس کی تفرقہ بازی کا ڈر، نہ کسی میں شر اور دھوکا، رات بھر گھر کھلا رہتا ہے۔ کمروں میں بڑے بڑے قیمتی قالین اور کپڑے پڑے رہتے ہیں، مگر کوئی نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا۔"

لیکن مولانا اس پر رنج و ملال کا اظہار کرتے ہوئے ان لوگوں کی شکایت کرتے ہیں جو حرم شریف میں بھی دنیوی باتوں میں اپنے کو مبتلا رکھتے ہیں، مولانا کہتے ہیں:

"حجاز پہونچ کر مجھے خوشی ہوئی تھی، کہ انشاء اللہ کم از کم پانچ ماہ تک ہندوستانی سیاسی پارٹی بازی اور فساد و اختلاف گالی گلوچ اور تفرقہ بازی سے کان سننے سے اور آنکھیں دیکھنے سے محفوظ رہیں گی، کان نہ محفوظ رہ سکے اول تو طبیعت کے میلان سے دوسرے لوگوں کے ہر وقت انہی باتوں میں الجھے رہنے سے مجبوراً سننا پڑتا ہے۔"

مگر وہ ان ناپسندیدہ باتوں کو ان کی مجبوری قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"حرم شریف میں ان سیاسی باتوں اور جھگڑوں سے جو قتل و غارت کی خبروں سے پیدا ہو گئے ہیں، جی بہت الجھتا ہے، مگر یہ تذکرہ کرنے والے اپنے تعلق اور اپنی مصیبتوں کی وجہ سے تذکرہ کرنے پر یقیناً معذور ہیں۔ حاجیوں کی حالت زار پر مکہ جو اتنے مہتم بالشان فریضہ کو ادا کرنے آئیں اور وہ اس کے آداب و احکام سے نہیں، دین سے بالکل ناآشنا ہوں فکر و تشویش ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"میں آج تعلیم کے سلسلے میں چند حجاج کے پاس گیا۔ ان حجاج کی حالت کو دیکھ کر تبلیغ کی اہمیت اور ضرورت کا بہت زائد احساس ہوا۔ حقیقت میں بڑے رنج کی بات ہے، کہ اتنے بڑے فریضہ کو انجام دینے آئیں اور باوجود ساٹھ سالہ و ستر سالہ سن کے کلمہ تک سے ناآشنا ہوں اور فاتحہ تک نہ پڑھ سکیں۔ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَلَا يَعْلَمُونَ۔"

حجاج کی دین سے غفلت و ناواقفیت یا خوش اعتقادی میں حد اعتدال کو پار کر جانے پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

افسوسناک بات یہ ہے کہ ان کے پڑھے لکھے علماء بھی ان کو نہیں بتاتے ہیں۔ انھیں تمام کاموں کے لیے الحمد للہ تبلیغی جماعت پورے انہماک اور خلوص سے اُن کی خدمت کر رہی ہے، ہر سیزن کو ایک ہندوستانی اجتماع مقرر کیا جاتا ہے، عصر بعد ہندی حجاج سے خوشامد کر کے ایک مکان میں مجتمع کیا جاتا ہے اور ان کو یہاں آنے کا صحیح مقصد بتایا جاتا ہے۔

مولانا مرحوم سیدنا حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے مزار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سامنے سیدنا حمزہؓ کا مزار ہے، ہم لوگ فاتحہ میں مشغول ہیں، حضرت حمزہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے چچا اور سید الشہداء ہیں، ان کی شہادت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زائد رنج ہوا تھا۔ کفار نے بری طرح اُن کو شہید کیا۔ اور مثلہ کیا گیا آپ جنگ اُحد میں شوال ۳ھ میں شہید ہوئے ؎

بکت عینی وحق لها بکاء ها
وما یغنی البکاء ولا العویل

مولانا جبل اُحد پر چڑھے، جبل رماۃ پر گئے، محل راحۃ النبیؐ کا بھی تذکرہ کیا جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام کے خاطر

ٹیک لگایا تھا، مدفن دندان مبارک کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"مزار حمزہؓ کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک کا مدفن ہے۔ پہلے گنبد بنا تھا، سعودی حکومت نے اس کو توڑا دیا۔ مدفن ثنایا کے قریب کھڑے ہوکر ہم لوگ باتیں کر رہے تھے۔ بیٹری میرے ہاتھ میں تھی، تھوڑی دیر کے بعد بیٹری گری، اور اوندھی گری شیشہ ٹوٹ گیا۔ عجیب بات ہے، کئی بار گری مگر کہیں نہ ٹوٹی، اس جگہ گر کر ٹوٹ گئی۔

مدینہ طیبہ میں گرمی کے متعلق لکھتے ہیں:

"آج گرمی ہے، فارغ الہند صاحب تشریف لائے ہیں، فارغ الہند کے متعلق معلوم ہو چکا ہے، کہ یہاں کی اصطلاح میں وہ بادل ہے جو ہندوستان میں برس کر خالی آئے۔ اور یہاں نہ برسے، اس سے گرمی بڑھ جاتی ہے اور ہوا رک جاتی ہے۔"

موسم گرم ہو یا سرد لیکن مسجد نبوی میں آنے جانے والوں میں کوئی فرق نہیں آتا ان کا تانتا بندھا رہتا ہے، مولانا اس کی منظر کشی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"آج بہت سے حجاج آئے، اور بہت سے گئے، اگر مسجد نبوی کا ایک کونہ خالی ہوتا ہے، تو دوسرے کونے بھر جاتے ہیں، پنجوقتہ نماز کے بعد مواجہ شریف سے لے کر باب السلام تک ہزاروں عاشقانِ رسولؐ کا جوش مارتا ہوا سمندر ہوتا ہے۔ صلوٰۃ وسلام کی آوازیں ایسی گونجتی ہیں، جیسے لاکھوں شہد کی مکھیاں بھنبھنا رہی ہوں۔"

یہ تھا ۴۷ء کے پہلے سفر حج کا حال، جس سفر کی آپ نے بڑے اہتمام سے روداد لکھی تھی، آپ کا دوسرا سفر حجاز ۲۰ سال بعد ۱۹۶۹ء میں اس وقت پیش آیا۔ جب مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ نے اپنے ساتھ حج بدل کے طور پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب کیا تھا۔ انھوں نے رفاقت کا ایسا حق ادا کیا کہ جس سے مولانا مدظلہ ان کے فضل وصلاح کے معترف نظر آتے ہیں۔ وفات کے بعد ان کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

"ہماری بڑی خواہش وتمنا تھی کہ کسی ایسے صاحب علم اور صاحب دل بندے کی رفاقت حاصل ہو جو حج کر چکا ہو، میں نے مولانا محمد ثانی صاحب کا انتخاب کیا، وہ میرے عرض کرنے پر بخوشی تیار ہو گئے۔ اس سفر مبارک کی رفاقت نے راقم سطور کو ان کا بہت زیادہ معتقد بنا دیا۔"[1]

افسوس کہ مولانا نے اس دوسرے سفر کی روداد تحریر نہ کی، البتہ اپنے تیسرے اور آخری سفر حجاز کی روداد تحریر کی۔ مگر وہ سفر حج نہیں تھا۔ آپ صرف عمرہ کرکے تشریف لے آئے تھے۔ اس سفر میں بھی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ ہمرکاب تھے۔ یہ سفر فروری ۱۹۸۱ء میں پیش آیا، مولانا مرحوم ایک مدت کے بعد حجاز مقدس تشریف لے گئے تھے، وہاں پہونچے تو۔ مولانا کو پوری دنیا بدلی ہوئی نظر آئی، کتنی چیزیں منہدم کر دی گئی تھیں، اور کتنی وجود میں آئی تھیں، راستوں اور جگہوں میں تبدیلی رونما ہو چکی تھی۔ مولانا بڑے افسوس کے ساتھ پرانی یادوں کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"۱۹۴۷ء کے سفر میں دیار حرم میں بہت کچھ پرانی قدریں موجود تھیں، مغربی تہذیب کی نہ اتنی یورش تھی، نہ اتنی ظاہری چمک دمک، نہ پٹرول کی اتنی فراوانی، نہ کاروں اور ہوائی جہازوں کی اتنی کثرت، نہ باہر سے آئے ہوئے قدردانوں اور ناقدروں کا ہجوم، جو اس وقت لازمت کے خاطر یا تجارت کی ہوس میں اس دیار پاک کے ادب واحترام سے نابلد بن کر آمنڈتا چلا آرہا ہے۔"

---

[1] ماہنامہ "رضوان" مولانا ثانی نمبر ص ۳۹-۴۰ اور ملاحظہ ہو ماہنامہ "الفرقان" بابت مارچ ۱۹۸۲ء

دعائے مغفرت

- مولانا عبداللہ مظاہری مہتمم مدرسہ فیضان رحیمی مرزا پور سہارنپور کی والدہ ماجدہ کا ۱۵ فروری ۱۹۹۷ء کو انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ صوم وصلوٰۃ کی پابند، دیندار، عابدہ، زاہدہ خاتون تھیں۔ وہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت بھی تھیں۔

اللہ تعالیٰ مرحومہ کے درجات بلند فرمائے۔

- دفتر ماہنامہ "البعث الاسلامی" کے کارکن محمد سہیل کی ہمشیرہ کا مختصر علالت کے بعد اچانک ۳۲ سال کی عمر میں ۱۶ مارچ ۱۹۹۷ء کو اپنے آبائی وطن ضلع گونڈہ میں انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے۔

- کرم احمد (گوشت سپلائر ندوۃ العلماء) کے خسر جناب محمد نظیر خاں لکھنؤ کا ۱۰ مارچ ۱۹۹۷ء کو طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

ایک مطالعہ

بروفیسر وصی احمد صدیقی

گل رعنا

مصنفہ: مولانا حکیم عبدالحی صاحبؒ

اس حقیر مضمون نگار کے ہمت کی داد ملنی چاہئے جو زبان عربی کا محرم نہ ہونے کے باوجود ایک ایسے جامع کمالات شخص پر مضمون لکھ رہا ہے جن کی شاندار کتابیں عربی زبان میں ہیں۔ محزنی کا شعر ہے

مدار صحبت ما بر حدیث زیر لبی الیست
کہ اہل بزم عوام اند و گفتگو عربی الیست

میر تقی میرؔ نے اس خیال کو عرفی سے مستعار لیا ہے۔

ہر ایک سے کہا نہ میں پر کوئی نہ سمجھا
شاید کہ میرے حال کا قصہ عرب ہے

یہ بات اہل بزم پر صادق نہیں آتی کیونکہ تعمیر حیات کے پڑھنے والوں میں زبان عربی کے واقف کار بہت ہیں اور اہل بزم وہی ہیں۔

اس دار العلوم کا جس کا نام ندوہ ہے سب سے گراں قدر تحفہ اپنے متعلقین اور متوسلین کو عربی زبان وادب کی لیاقت بہم پہونچانا ہے۔ یہ مضمون نگار ساری زندگی سائنس اور ریاضی کے خارزار میں بھٹکا کیا۔ حکیم سنائی نے شاید میرے لئے ہی یہ بات کہی ہے۔ گرفتہ چینیاں احرام ومکی خفتہ در بطحا۔

یہ انکسار بالکل برحق اور برمحل ہے مگر اس کو زیادہ آگے نہیں بڑھانا ہے۔ ہاں اس بات پر اپنی مسرت کا اظہار ضرور کرنا ہے کہ نزہۃ الخواطر، الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند۔ الہند فی العہد الاسلامی۔ کتاب الخانی الاسلام۔ تہذیب الاخلاق جیسی اعلیٰ تحقیقاتی کتابوں کے مصنف نے اردو میں گل رعنا اور یاد ایام جیسی کتابیں بھی تصنیف کیں۔ میں بھی گل رعنا بغل میں دبائے سخن فہموں کی اس محفل میں آتا ہوں۔ یوسف کے خریداروں میں اپنا نام بھی ہونا چاہئے۔ آخر اس بڑھیا کے جذبہ کی بھی داد دینی ہے جو مصر کے بازار میں سوت کا گولے کر یوسف کو خریدنے آئی تھی۔ اس جنس گراں کا میں بھی خریدار ہوں۔

یہ واقعہ ہے کہ دنیائے اسلام نے مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی بے مثال تاریخی اور تحقیقاتی کتابوں سے پہچانا جو انھوں نے عربی میں تحریر فرمائی تھیں۔ ان میں سے ہر ایک دائرۃ المعارف کا درجہ رکھتی ہے اور جو مواد بڑی بڑی اکاڈیمیز جمع کرتی ہیں اسے ایک فرد واحد نے انجام دیا ہے۔ انھیں COLOSSAL سے تشبیہ نہ دی جائے یا عبقری نہ کہا جائے تو پھر اس خطاب کا کون مستحق ہے۔ اس وصف میں اگر ان کا کوئی شریک ہے تو وہ علامہ شبلی ہیں۔ یہ ان کے ہم عصر اور ساتھی تھے اور ندوہ کے افق پر ہر دو حضرات کی نورانی شکلیں نظر آتی ہیں۔

یہاں میں ایک بات عرض کر دوں کہ غالب نے کہا تھا فارسی ہیں تابہ بینی نقش ہائے رنگارنگ۔ ہو۔ ذہن جتنا بھی رسا ہو تاریخ اور تذکرہ نویسی کا حق ادا کرتے ہیں۔ کسی جذبہ سے متاثر ہوکر وہ انصاف پر آنچ نہیں آنے دیتے۔ کتاب میں وہ موجود تھے۔ اردو کے واقف کاروں نے مولانا عبدالحی کو گل رعنا سے جانا۔ عربی اور اردو کے اس فرق سے میر یاد آتے ہیں جنھوں نے کہا تھا۔

شعر میرے ہیں گو خواص پسند
پر مجھے گفتگو عوام سے ہے

اکثر لوگوں کے ذہن میں یہ خیال آتا ہے کہ آب حیات جیسی کتاب کی موجودگی میں مصنف گل رعنا کو اس کتاب کے لکھنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ خود مولانا عبدالحی صاحب نے آب حیات کے متعلق جو لکھا ہے اور اس کے مصنف کے لئے جس خیال کا اظہار کیا ہے، اس سے بہتر اظہار عقیدت مولانا محمد حسین آزاد کو شکل سے کسی اور باکمال سے ملا ہوگا۔

"سب سے بہتر اور عمدہ تصنیف ان کی آب حیات ہے جو اردو زبان اور ریختہ شعر کی تاریخ میں پہلی کتاب ہے اور اردو انشاپردازی کا بہترین کارنامہ ہے۔ عبارت کی بے ساختگی اور برجستگی اور اس میں شاعرانہ تخیل استعاروں کی دل فریبی کے ساتھ ایسی چیز ہے جس پر غزلوں کے سیکڑوں دیوان قربان کر دینے کے قابل ہیں۔

اس کتاب کی مقبولیت کی بڑی دلیل یہ ہے کہ جو غلط اور نادرست روایتیں مصنف کے جادو نگار قلم نے لکھ دی ہیں وہ آج اردو کی انشاپردازی کے قالب میں روح کی طرح پیوست ہو گئی ہیں اور ضرب المثل کی طرح زبانوں پر چڑھ گئی ہیں۔

گل رعنا کی تصنیف کے لئے یہ نکتہ کافی ہے۔ میں مولانا محمد حسین آزاد اور مولانا حکیم عبدالحی صاحب کا موازنہ کرنے نہیں جا رہا ہوں۔ مولانا عبدالحی بے مثال تاریخ داں اور محقق ہیں۔ قلم جتنا بھی رواں ہو۔ ذہن جتنا بھی رسا ہو تاریخ اور تذکرہ نویسی کا حق ادا کرتے ہیں۔ کسی جذبہ سے متاثر ہوکر وہ انصاف پر آنچ نہیں آنے دیتے۔ کتاب میں وہ

مولانا محمد حسین آزاد کو ہر جگہ داد دیتے نظر آتے ہیں مگر پڑھنے والے کے سامنے اپنی تحقیق کے نتائج لکھتے ہیں اور جسے غلط سمجھتے ہیں اسے قبول نہیں کرتے۔

مولانا محمد حسین آزاد خالص ادیب ہیں اور تاریخ تو ان کو تھوڑا لکھنے کا مواد پیش کرتی ہے۔ اسی تاریخ میں وہ اپنی خواہش کے مطابق تغیر اور تبدل کرتے ہیں۔ جس کا قد جی چاہے بڑھائیں، جس کا جی چاہے گھٹائیں۔ استاذ ذوقؔ جن کے دیوان کے متعلق ایک بڑے شاعر نے لکھا ہے کہ پڑھتے جائیے۔ سوائے ریگزار کے نخلستان کی شکل نظر نہیں آئے گی، ان کے متعلق سعادت مند شاگرد نے لکھا ہے۔

جب وہ صاحب کمال عالم ارواح سے کشور اجسام طرف چلا تو فصاحت کے فرشتوں نے باغ قدس کے پھولوں کا تاج سجایا جن کی خوشبو شہرت عام بن کر جہاں میں پھیلی اور رنگ نے بقائے دوام سے آنکھوں کو تراوٹ بخشی، وہ تاج سر پر رکھا گیا تو آب حیات اس پر شبنم ہو کر برسا کہ شادابی کو کملاہٹ کا اخرنہ پہونچے۔ ملک الشعرائی کا سکہ اس کے نام سے موزوں ہوا۔"

یہ جملے خود کتنے خوش نما اور تروتازہ ہیں مگر ممدوح کیا واقعی ایسے سزاوار مدح ہیں۔ پوری کتاب ایسے ہی خوبصورت جملوں اور دل کے فیصلوں سے بھری ہے۔

مولانا آزاد کو شعرا کے حریفانہ بیان سے بڑی دلچسپی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان میں سے اکثر معرکات اکھاڑے میں اترتے ہیں مگر داؤں پیچ اور کشتی کے نتائج کا بیان مولانا نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ میر و مرزا سے یہ معاملہ شروع ہوتا ہے۔ پیچ میں انشا اور مصحفی آتے ہیں اور خاتمہ انیس و دبیر پر ہوتا ہے۔ اردو کی یہ عجب ستم ظریفی ہے کہ ہر دور میں ہر بڑے شاعر کا مدمقابل ایک معمولی شاعر ضرور رہا ہے۔ استثنا صرف سوداؔ اور میرؔ کا ہے۔ دونوں اعلیٰ درجے کے شاعر تھے ورنہ آتش اور ناسخ کا کیا مقابلہ۔ انشاؔ بحیثیت شاعر کے مصحفیؔ کے کیسے مقابل ہو سکتے ہیں۔ داغؔ اور امیرؔ کا ذکر آب حیات میں نہیں برسبیل تذکرہ لکھتا ہوں کہ داغؔ ارباب نشاط کے شاعر سہی مگر ان کے فصیح اور شگفتہ کلام کا مقابل امیرؔ کی ٹھس اور بے جان غزلوں سے کیسے ہو سکتا ہے لاکھ وہ ہلکے رنگ کی کلیاں چنیں ان کا عمامہ محفل میں نہیں سماتا۔ خیر یہ جملہ معترضہ ہے۔ آب حیات کا خاتمہ میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ پر ہوا ہے۔ یہاں مولانا جو کچھ بھی رائے دیتے ہیں، انیسیوں اور دبیریوں کی زبان سے دیتے ہیں۔ کلام کا مقابلہ نہیں کرتے مگر دل کدھر ہے اس کا پتہ تو فوراً چل جاتا ہے۔

اس معاملہ میں مولانا شبلی کی موازنہ انیس و دبیر کی داد دی جائے گی۔ گریہ و بکا۔ مصائب اہل بیت تو مرثیے کے اجزائے ترکیبی ہیں مگر مولانا نے شاعرانہ کمال کو مدنظر رکھا ہے۔ میر انیسؔ کے اعلیٰ مقام کو اسی کتاب نے متعین کیا ہے ورنہ بگڑو شاعر مرثیہ گو تو اپنے زمانہ میں ضرب المثل تھا۔ کوئی شک نہیں اردو کو اپنے اس بے مثال شاعر پر ہمیشہ ناز رہے گا۔

بات میں بات نکلتی چلی آئی۔ میں عمومی بات زیادہ کرنے لگا۔ اب لوٹ کر اپنے ممدوح مصنف گل رعنا کی طرف آتا ہوں اور بتاتا ہوں کہ اس کی تصنیف کیوں ضروری تھی اور کون سے باب جو بند تھے مولانا نے کھولے۔ ظاہر ہے بغیر آب حیات کا نام لئے یہ کام کیسے ہو سکتا ہے لیکن یہ بات پھر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مولانا محمد حسین آزاد کے مقام سے پوری طور پر واقف ہوں وہ جو خالص ادیب ہیں۔ دلوں کو اپنی تحریر سے شگفتہ کر دینے والے۔ لفظوں کی تراش خراش، خوبصورت ترکیبیں، تشبیہیں اور استعارے نثر کی زبان کو غزل کا حسن دیتے ہیں۔

اپنے بیان کے لئے ان کو تاریخ کی ضرورت ہے نہ تاریخ نگاری کی نہ مذہب کی۔ شیکسپیئر نے کہا ہے شاعر، دانشور اور دیوانے ایک ہی عنصر سے بنے ہوتے ہیں، مولانا محمد حسین آزاد کی آب حیات اور تقریباً دیوانگی میں لکھی ہوئی نیرنگ خیال شیکسپیئر کے اس قول کو حق بجانب ثابت کرتی ہے۔

گل رعنا اور اس کے شاعروں کے ذکر سے پہلے میں تھوڑی سی شاعری پر بات کر لوں۔ جس طرح تصوف کا عروج اس وقت ہوتا تھا جب مسلمانوں کی جہاں بانی اور جہاں بینی کا دور ختم ہوتا تھا اور ان کا معاملہ طوائف الملوکی سے پڑتا تھا۔ مصیبت میں خدا یاد آنے کی بات تو بالکل فطری ہے بالکل اسی طرح اردو شاعری نے زور اس وقت پکڑا جب شاعروں کو شہر آشوب لکھنے کی ضرورت پیش آئی۔ اردو غزل اپنی ابتدا سے تصوف کی مرہون منت ہے۔ سراج دکنی ہوں یا ولی دکنی، حضرت مرزا مظہر جان جاناں ہوں یا خواجہ میر دردؔ غزل کے جتنے چوٹی کے شاعر ہیں سب وحدت الوجود اور اسی نمونہ کی تصوفانہ اصطلاحات اور خیالات پر طبع آزمائی کرتے رہے۔ خود غالبؔ جو فلسفی شاعر تھے اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہیں پر طبع آزمائی کرتے رہے۔ استثنا صرف میرؔ کا ہے جن کو لاکھ ان کے والد نے عشق حقیقی کی تعلیم دی ہو رہے عشق مجازی پر گوان کا عشق محرومی اور نامرادی کا ہے۔ تبھی "کیا جانے دل کو کھینچے ہیں کیوں شعر میرؔ کے" کا معاملہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہا۔ شاعر خواہ کتنا ہی افسردہ خیال کی ترجمانی کر رہا ہو اس کا ایک لذت بخش احساس پڑھنے والے کے دل پر پڑتا ہے۔ اسے دل میں ہیجان اور وجد کا احساس ہوتا ہے، معنی کے ساتھ انداز بیان اور صوتی حسن بھی پوری اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اسی لئے شعر اپنے ترجمہ میں سارا حسن کھو دیتا ہے۔ شاعری کو انسانی فطرت سے بڑی مناسبت ہونی چاہئے۔

انسانی جذبات اور واردات کا ذکر ایسا ہو کر پڑھنے والے کو خود اپنے ذاتی تجربہ کی یاد آئے۔ ڈاکٹر جانسن نے جو انگریزی زبان کے بہت بڑے نقاد گزرے ہیں لکھا ہے کہ شاعر کو زندگی کی تمام صورتوں اور کیفیتوں سے واقف ہونا چاہئے اسے ہر قبیل کے انسان کے دکھ کا احساس ہونا چاہئے، تمام انسانی جذبات کا نبض شناس ہونا چاہئے۔ اسے دیکھنا چاہئے کہ نفس انسانی بچپن کی شوخی اور شنگی سے بڑھاپے کی حسرت و مایوسی تک کس طرح تغیر پذیر ہوتا ہے۔

مگر یہ مطالبہ کہ شاعری کو اخلاقی طور پر نفع بخش ہونا چاہئے ذرا لمبی فرمائش ہے کیونکہ عام زندگیاں اپنی اصلی صورت میں اخلاق آموز نہیں ہوتیں۔ پھر بھی ورڈزورتھ کے قول کے مطابق انسان کا نفسیاتی ڈھانچہ اور نظام کائنات ایک دوسرے کے متوازی ہیں اور شاعر ہمہ گیر اور عمومی حقیقتوں کا اظہار اس وجہ سے کرتا ہے کہ وہ ایک ایسا انسان ہوتا ہے جو اپنے احساسات سے خود لطف اٹھاتا ہے۔ وہ باتیں جو اسے نظر نہیں آتیں اسے اپنی طرف سے ایجاد کر لیتا ہے۔

شاعر اور شاعری کے لئے جو صفات میں نے تجویز کئے ہیں اردو شاعری اس سے بہت کم متصف ہے۔ واسوخت، ریختی، فحش اور گندے مضامین، سوقیانہ اشارے اسے اعلیٰ معیار سے بہت نیچے لے آتے ہیں۔ حالیؔ نے جو اسے غزل اور قصیدہ کا ناپاک دفتر کہا ہے وہ زیادتی پر مبنی نہیں ہے۔

قصائد تو فارسی شعرا نے خوب لکھے ہیں۔ مبالغہ کی وہاں بھی کمی نہیں۔ قزل ارسلان کے رکاب پر بوسہ دینے کے لئے ثریا کرسی فلک رکھنے کی ضرورت محسوس کرنے والا شاعر اپنی بات کو شاعرانہ سلیقہ سے کرتا ہے۔

اردو میں بھی سوداؔ اور ذوقؔ نے قصائد لکھے۔ سوائے درسی کتابوں کا جزو بننے کے اب ان کا کوئی مقام اردو شاعری میں نہیں۔ آج یہ صنف شاعری بالکل متروک ہے۔ مولانا آزاد اور مولانا عبدالحیؒ دونوں اس پر بہت سرسری گزرے۔

اسی طرح مثنوی کا معاملہ ہے۔ میر تقی میرؔ، میر اثرؔ، میر حسنؔ، دیا شنکر نسیمؔ، محسنؔ کاکوروی مولانا حالیؔ وغیرہ نے اسی صنف شاعری پر طبع آزمائی کی ہے۔ ان میں سب سے زیادہ خوبصورت زبان اور بیان کے لحاظ سے میر حسنؔ کی سحر البیان ہے۔ یہ اسم بامسمّٰی ہے، سخت تعجب ہے کہ مولانا آزادؔ جیسے ستھرے ادیب نے اس پر کوئی توجہ نہیں کی۔ مولانا عبدالحی صاحبؒ نے اپنی کتاب میں میر حسنؔ اور ان کی مثنوی کو صحیح مقام دیا۔ مثنوی کے بہترین ٹکڑے نقل کئے۔

میں یہ عرض کر دوں کہ گل رعنا اردو شاعری پر عہد وار تنقید کی کتاب نہیں۔ یہی حال آب حیات کا بھی ہے مگر دونوں کتابوں میں شاعروں کا بیان جس طرح کیا گیا ہے اور ان کے چنندہ اشعار کو جس طرح سامنے رکھا ہے اس سے یہ کام بھی ہو گیا ہے۔ مولانا آزادؔ نے بہت سے شعرا کو جن کا ذکر ہونا چاہئے ان کو نظر انداز کیا ہے۔ بہت سے شعرا جو بالکل نہی دامن تھے بڑی اچھی جگہ پائے ہوئے ہیں۔ آب حیات سے پہلے بھی بہت سے اردو شعرا کے تذکرے لکھے گئے ہیں لیکن سب کی زبان فارسی ہے۔ نکات الشعرا، طبقات الشعرا، گلشن بے خار سب فارسی میں لکھی گئی ہیں۔ اردو میں آب حیات نقش اول ہے اور نقش دوام بن گیا ہے مگر شعار کے ساتھ جو بے انصافی ہوئی ہے وہ بے حد محل نظر ہے۔ نصرتی، سراجؔ، عاجزؔ، کلیمؔ، یقینؔ، حزیںؔ، قدرتؔ، ممنونؔ، ظفرؔ اور شیفتہؔ کی کوئی پرسش مولانا آزاد نے نہیں کی۔ مولانا عبدالحیؒ نے ان کے حالات زندگی اور ان کے اشعار کو اپنی کتاب میں جگہ دی ہے۔ یہ حضرات جس طرح نظر انداز ہوئے تھے اس کے لئے کوئی معقول وجہ نہیں۔ لکھنؤ کے بڑے اچھے شاعروں کا بھی اس کتاب میں ذکر نہیں۔

مولانا آزاد نے اپنے ہمعصر شعرا حالیؔ اور اکبرؔ کو بھی اپنے تذکرہ میں شامل نہیں کیا جو بڑی حیرت کا باعث ہے۔ تحریر کے سارے حسن کے باوجود اس کتاب کو ایک جامع تذکرہ نہیں کہا جا سکتا۔

پھر سنی سنائی باتوں اور غیر مصدق بیانات نے اس کتاب میں بڑی جگہ پائی ہے۔ ظاہر ہے مولانا آزاد کا قلم موتی پرونے والا تھا اور تخیل زرخیز یوں بھی افسانہ حقیقت سے زیادہ دلچسپ ہوتا ہے۔ اس وقت کے زیادہ تر تذکرے ان کی نظر سے نہیں گزرے تھے خاص طور پر نکات الشعرا جس کا لکھنؤ نے اکثر حوالہ دیا ہے۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنے مقدمے میں اس کی نشاندہی کی ہے۔ جو قول بھی جس سے چاہا اس سے منسوب کر دیا۔ واقعات کے بیان میں بے حد غلطیاں کی ہیں۔ سید انشا کے جنون اور بے چارگی اور کس مپرسی کا جو نقشہ کھینچا ہے کہ بڑے سے بڑا حزنیہ ڈراما بھی ایسا اثر نہ ڈالے خالص افسانہ ہے۔ سعادت یار خاں رنگین کو رادی بنا کر ایک مشاعرہ میں ان کا حال لکھا ہے اور غزل وہ پڑھوائی ہے جو سید انشا نے اس وقت لکھی تھی جب وہ لکھنؤ نہیں آئے تھے۔ مصحفی کے تذکرہ میں اس کا ذکر ہے۔

مولانا حکیم عبدالحی صاحبؒ نے ایک دیانتدار مورخ کی طرح ان واقعات کو رد کیا ہے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جو ظلم اور زیادتی مولانا محمد حسین آزاد نے روا رکھی ہے وہ سخت حیرت میں مبتلا کرنے والی ہے۔ بحیثیت شاعر کے ان کا ذکر بالکل سرسری ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اپنی کتاب میں مولانا آزاد نے صرف اس لئے ان کا ذکر کیا کہ نا پسندیدہ باتیں ان سے منسوب

کرسکیں۔ یہاں معاملہ ایک ایسے بزرگ سے تھا جن کا روحانی مقام بے حد بلند و بالا ہے — آبِ حیات میں یہ زہریلا پانی نہیں ہونا چاہئے تھا۔

استاد ذوقؔ کے متعلق میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ استاد کی تعریف ایک بڑا سعادت مندانہ جذبہ ہے مگر بہادر شاہ ظفر کے سارے کام کو استاد کی جھولی میں ڈال دینا کہاں کا انصاف ہے۔ مولانا عبدالحیؒ نے اس کا پورا تنقیدی جائزہ لیا ہے اور اس جوشِ عقیدت کی داد دیتے ہوئے اس بے انصافی پر اپنے رنج کا اظہار کیا ہے۔

مولانا عبدالحیؒ نے اردو اور اردو شاعری کی ابتدائی تاریخ بالکل شروع سے بیان کی ہے۔ انھوں نے صوفیاء کرام کے حالات کو پڑھ کر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اردو اپنی ابتدا اور ارتقاء کے لئے ان کی مرہونِ منت ہے۔ انھوں نے سلاطینِ دکن خاص طور پر ابراہیم عادل شاہ، محمد علی قطب شاہ، سلطان محمد قطب شاہ، عبداللہ قطب شاہ وغیرہ کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ ان کے اشعار نقل کئے ہیں اور بتایا ہے کہ یہ حکمراں علم و ادب کے کتنے بڑے قدرداں تھے۔

بیان میں دکن سے پھر وہ دہلی آئے۔ یہاں امرائے دربار کی گرم بازاری تھی۔ انھوں نے اردو شاعری کی طرف جی جان سے توجہ کی۔ اور محترم ہستیاں جیسے مرزا بیدل جو فارسی کے بے مثال شاعر تھے اردو میں بھی طبع آزمائی کرنے لگے۔ پھر تو مصحفیؔ کے مصرعہ کے مطابق "چلی بھی جا جرسِ غنچہ کی صدا پر نسیم" والا معاملہ ہوا البتہ اس قافلہ نوبہار کی کوئی منزلِ آخر نہیں۔

میں نے لکھا ہے کہ اردو شاعری پر تبصرہ اور تنقید ان مصنفین کا مقصد نہ تھا مگر یہ کام بھی غیر شعوری طور پر انجام پایا۔ مولانا عبدالحیؒ نے جس طرح اپنی کتاب کو ادوار میں بانٹا ویسے ہی شعراء کی مرتبہ بندی بھی کی۔ پہلا حصہ متقدمین کا رکھا۔ دوسرا متوسطین کا۔ اس کو بھی انھوں نے تین حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلا دور میرؔ و مرزاؔ کا۔ دوسرا مصحفیؔ اور میر حسنؔ کا، تیسرا ذوقؔ و غالبؔ کا، پھر وہ متاخرین پر آئے، ان کے بھی تین حصے کئے۔ امیرؔ اور داغؔ اور حالیؔ و اکبرؔ پر اس کا خاتمہ کیا۔ ان شعراء نے جدید شاعری کی بنیاد ڈالی۔

اس بے مثال کتاب میں بے حد مفید حواشی ہیں۔ مولانا عبدالحیؒ کی ہندوستان کے اسلامی عہد کی تاریخ سے زبردست واقفیت ان حواشیوں کی افادیت کو بہت بڑھا دیتی ہے۔ یہ معمولات سے بھرپور ہیں اور تاریخ کے طالب علموں کے لئے انتہائی کارآمد۔ کتاب کا آخری باب مولانا کے والد مولانا فخرالدین صاحبؒ کے مختصر حالات زندگی اور کلام کے نمونہ پر ہے ہندی کے گیت نما چھند دل کو حیرت اور مسرت سے بھر دیتے ہیں۔ اشاریاتی یا علامتی شاعری (SYMBOLIC POETRY) کا ایسا خوبصورت نمونہ صرف سورؔ، تلسیؔ یا میراؔ میں ملے گا۔ صحیح معنوں میں پیام انسانیت ہے۔

میں اپنے مضمون کو حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے جملہ پر ختم کرتا ہوں اردو میں کوئی ایسا مسلسل اور مکمل، شستہ و شائستہ تذکرہ موجود نہ تھا جو سلجھے ہوئے انداز اور شیریں زبان میں ایک طالب علم اور شائق فن کو بنیادی اور ضروری معمولات فراہم کرتا ہو۔ اس کی حیثیت ایک وقیع علمی مآخذ کی۔ یہ مضمون مولانا عبدالحیؒ پر سیمینار کے لئے لکھا گیا

حج اور مقاماتِ حج

عمرہ و حج کے اعمال اور زیارت اماکن مقدسہ کے لیے

ایک رہبر کتاب

* جس میں حج و عمرہ کے مسائل کے ساتھ اہم مقامات کی جغرافی تشریح بھی کی گئی ہے۔
* حج و عمرہ کے مسائل اور مقامات کی جغرافی معلومات دونوں مستند کتابوں سے اور ذاتی مشاہدات سے لیے گئے ہیں۔
* کتاب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ کے قیمتی مقدمہ سے آراستہ ہے۔

معیاری کتابت، آفسٹ طباعت، سائز ۲۰×۳۰/۱۶ قیمت ۳۵/- روپے

تصنیف از: سید محمد رابع حسنی ندوی

اپنے شہر کے بک سیلروں یا ذیل کے پتوں سے طلب کیجئے

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ ندوۃ العلماء لکھنؤ

دار عرفات میدان پور، رائے بریلی ۲۲۹۰۰۱

مصر میں "شیطانی فرقہ" ایک نئے فتنہ کی داغ بیل

مطیع الرحمٰن عوف ندوی

یوں تو اسلامی ممالک میں آئے دن نت نئے مسائل، فتنے اور اخبارات و رسائل کی شہ سرخیوں میں جگہ پانے والے حادثات ہوتے ہی رہتے ہیں جو مغربی ذرائع ابلاغ اسلام کے سلسلہ میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کے بہتر ذریعے ثابت ہوتے ہیں ساتھ ہی اسلامی ممالک کے امن و امان کو درہم برہم کرنے اور برسر اقتدار افراد کو ملک کے استحکام کے بجائے دیگر امور میں اپنی توانائیاں صرف کرنے پر مجبور کرتے ہیں، لیکن ادھر چند سالوں سے مصر کے اندر اس طرح کے واقعات نے کچھ زیادہ ہی شدت اختیار کر رکھی ہے اور حکومت آئے دن اس طرح کے مسائل سے دوچار رہتی ہے۔

دو سال قبل مصر میں ایک کوریائی تنظیم نے قاہرہ میں ایک ڈرامہ شروع کیا تھا جو قیامت کی آمد اور مسیح علیہ السلام کے نزول اور دیگر منحرف عقائد کا حامل تھا اور جس نے پورے ملک کے اندر بدامنی و انتشار پھیلا رکھا تھا، ابھی مصری حکومت نے اس تنظیم پر قابو پایا ہی تھا کہ اہرام مصر اور سورج کی پوجا کرنے والوں نے ملک میں ایک نئے فتنے کو جنم دیا۔ اور ایک بار پھر حکومت ان کے خلاف کارروائیوں اور ملک میں اس سے پیدا ہونے والے اثرات سے نمٹنے کے لئے کمربستہ ہوگئی۔ لیکن ادھر چند دنوں کے اندر مصر کے اندر جو کچھ پیش آیا وہ حد درجہ حیران کن، اور عجیب و غریب فتنہ ہے، خبروں کے مطابق وہاں ایک نیا فرقہ وجود میں آیا ہے جو شیطان کی پرستش کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کھلے عام نافرمانی کرتا ہے اس فرقہ کی پرستش کا طریقہ یہ ہے کہ اس فرقہ کے افراد ہر قسم کے گناہوں کا ارتکاب اپنا فریضہ سمجھ کر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس طرح شیطان ان سے راضی ہوتا ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ شیطان زبردست طاقت و قوت کا مالک ہے، یہ لوگ منشیات کے استعمال اور جنسی انارکی اور دیگر گناہوں کو ثواب سمجھ کر اپناتے ہیں کہ اس سے ان کے خدا "شیطان" کے دل کو تسکین ہوتی ہے، تنظیم کا نام بھی انھوں نے "شیطان کے بندے" رکھا ہے، اس تنظیم کے بیشتر ارکان مصر کے بعض شہروں کے نوجوان ہیں جن میں اکثر بااثر، تعلیم یافتہ اور اہم عہدیداروں کے بیٹے ہیں، اس سے تعلق رکھنے والے نوجوانوں کی عمر ۱۶ سے ۲۵ سال کے درمیان ہے ان کے مطابق ۲۵ سال کی عمر میں موت ہونا یقینی ہے اگر کوئی اس تحریک کا فرد اس عمر کو پار کر جائے اور خدانخواستہ زندہ بچ جائے تو اسے تنظیم کی رکنیت سے سبکدوش کر دیا جاتا ہے۔

اب تک کی تحقیقات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اب تک ۷۲ طالب علم اور ۷ طالبات اس میں شامل ہیں جو امریکن یونیورسٹی قاہرہ میں زیر تعلیم ہیں جن میں ۶۵ کے خلاف حکومت مصر نے گرفتاری کا وارنٹ جاری کر دیا ہے۔

تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں کا مسلسل کیسٹ، ویڈیو فلم، اور بعض لٹریچر کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے جو اس تنظیم کے لوگ دیگر ممالک سے کرتے ہیں یہ چیزیں ان لوگوں کے ذریعہ آتی ہیں جو برابر امریکہ اور یورپ کا سفر کرتے رہتے ہیں اس تنظیم کی ظاہری علامت (مونوگرام) یہ ہے کہ اس کے متبعین اپنے خاص جلسوں میں ایک خاص قسم کا سیاہ رنگ کا لباس زیب تن کرتے ہیں جس میں معکوس صلیب کی تصویر (شیطان کی علامت) کی صورت میں ہوتی ہے، اس میں زنجیریں پڑی ہوتی ہیں اور اس کی شکل کچھ اس طرح ہوتی ہے کہ وہ ایک کھوپڑی کے مانند معلوم ہوتی ہے۔ اور موسیقی فرقوں میں اس تنظیم کا بھی ایک گروپ ہے جس کے بارے میں معلوم ہوا کہ تنظیم کے شرائط کے مطابق گانوں پر مشتمل وہ رقص و سرود کی خاص محفلیں سجاتے ہیں، یہ مجلس بھاپ کے ماحول سے پُر ہوتی ہے اور اس کے شرکاء اس قدر رقص کرتے ہیں کہ تھک تھک کر گر پڑتے ہیں، درمیان میں وقفہ وقفہ سے وہ منشیات بھی استعمال کرتے رہتے ہیں اس کے بعد ایک نیم برہنہ نوجوان لڑکی کے جسم پر خنزیر، مرغی یا بچھو کو ذبح کرنے کی رسم ادا کی جاتی ہے اس طرح اس کا جسم خون سے لت پت ہو جاتا ہے، اور یہ اسے شیطان کے حضور نذر کرتے ہیں۔

دیگر ممالک میں رہنے والے اس تنظیم کے ارکان خصوصاً صدر دفتر امریکا اور صہیونی آبادیوں سے مسلسل رابطہ کے لئے "انٹرنٹ" کا سہارا لیتے ہیں جو براہ راست ان کے مابین رابطہ کا سب سے زیادہ سہولت والا ذریعہ ہے، اس کے علاوہ سیاحت کے بہانے صہیونی اراکین بھی آتے جاتے رہتے ہیں، جو اس تنظیم کو فروغ دینے کے لئے مسلسل کوشاں و سرگرداں رہتے ہیں، مصری باشندے اور ذمہ داران اس فتنہ سے بہت زیادہ خوفزدہ اور پریشان ہیں اور اس کے تدارک اور خاتمہ کے لئے فکرمند ہیں، ان کے نزدیک اس سے اخلاقی کردار کی پستی بڑھتی

جائے گی، اور ملک میں امن وامان کا فقدان ہوتا جائے گا۔

دوسری جانب اے، الف، پی نے ۲۰ جنوری ۱۹۹۶ء کی اشاعت میں اس نئی تنظیم کے بارے میں ایک خبر شائع کی ہے اور اس نے اس کے ذمہ داروں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "مصری حکومت نے اس فرقہ کے خلاف کارروائی شروع کردی ہے اور اس سے وابستہ افراد کو جو زیادہ تر نوعمر لڑکے ہیں، پکڑا جارہا ہے ان نوجوانوں کا تعلق خوش حال خاندانوں سے ہے، مصری میڈیا میں آج کل اس کی خبریں گرم ہیں، سرکاری حکام تو صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ ان نوعمروں کو الحاد و دہریت کا شکار بنایا جارہا ہے اور یہ نظریہ باہر سے آیا ہے البتہ حکومت مخالف موقف رکھنے والے اخبارات کا کہنا ہے کہ مصر کے نوجوانوں کو بے راہ رو اور بدکردار بنانے کی یہ صیہونی سازش ہے اور اسرائیلی حکومت اس فرقہ کی حوصلہ افزائی کررہی ہے اسلامی حلقوں کی رائے ہے کہ کچھ عرصہ سے اسلامی ذہن کے خلاف یورپ کے اشارے پر کی جانے والی کارروائیوں، مغربی میڈیا، اور اسرائیلی ثقافتی پروگراموں کو کھلی چھوٹ دینے کا یہ نتیجہ ہے نیز غیر جمہوری نظام اور جبر و تشدد بھی اس کا ایک سبب ہے کہ مصر کی کوئی نظریاتی سمت نہیں ہے۔

بقیہ صـ۳۰ کا

اور ان کو پھیلائے گا

اس پر ان سب لوگوں کا گناہ ہوگا جو اس کا شکار ہوں گے اس پر آپؐ کا ارشاد منطبق ہوگا کہ جو گمراہی کی طرف بلائے گا اس کو ان سب کا گناہ ہوگا جو اس کی پیروی کریں گے اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

اعلان

عالمی رابطہ ادب اسلامی شعبۂ برصغیر کا اردو ترجمان سہ ماہی "کاروان ادب" کا تازہ شمارہ جو مجلہ کے عمومی مضامین کے علاوہ "ادب میں سفرناموں کی اہمیت" کے خصوصی موضوع پر مشتمل ہے شائع ہوگیا ہے۔ اس کے چند اہم مضامین یہ ہیں:

۱۔ علامہ شبلیؒ کے تنقیدی تصورات، ۲۔ اودھ کے علماء اور ان کی علمی خدمات، ۳۔ سفرنامہ اور ادب اور قرآن میں اس کا بیان (۴) سفرناموں کا اسلوب نگارش، ۵۔ سفرنامہ روم و مصر و شام۔ ایک تعارف۔ ایک جائزہ۔ ۶۔ سفرنامہ ابن جبیر پر ایک نظر، (۷) حج کے چند اہم سفرنامے۔ ۸۔ اپنے گھر سے بیت اللہ تک: ایک مختصر اور مؤثر سفرنامۂ حج۔ ۹۔ ادیب مومن کا سفرنامہ۔ (۱۰) بحر ہند کا قدیم ترین سفرنامہ۔ ۱۱۔ "جہاں دیدہ" پر ایک نظر۔ (۱۲) سیر افلاک۔ عالمی ادبی تخلیقات پر ایک نظر۔ ۱۳۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ کا سفرنامۂ افغانستان۔ ۱۴۔ اسلامی ممالک کے سفرنامے۔ ایک ادبی جائزہ

اس کے علاوہ شعر و ادب کے تحت پڑھئے نظم اور غزل، طنز و مزاح اور دیگر مضامین اور اس کے علاوہ بھی بہت کچھ۔

اس شمارہ کے چند اہم لکھنے والے حسب ذیل ہیں:

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی۔ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی۔ پروفیسر عبدالحق۔ ڈاکٹر عصمت جاوید۔ پروفیسر سید احتشام احمد ندوی۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر۔ پروفیسر عماد الحسن آزاد فاروقی، مولانا اسیر ادروی وغیرھم

سالانہ زر تعاون: ایک سو پچاس (۱۵۰) روپے

فی شمارہ: چالیس روپے

اب تک اس کے دس شمارے نکل چکے ہیں خواہشمند حضرات تمام شمارے یا کوئی بھی شمارہ مندرجہ ذیل پتہ سے حاصل کرسکتے ہیں:

دفتر رابطہ ادب اسلامی پوسٹ بکس نمبر ۹۳۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ ۲۲۶۰۰۷

خط و کتابت کرتے وقت
خریداری نمبر اور اپنا پتہ
صاف اور خوش خط تحریر فرمائیں (ادارہ)

محمد طارق ندوی

سوال و جواب

س:۔ آج کل بہت سی کمپنیاں تمباکو یا پان مصالحہ بناتی ہیں تو ان میں کچھ اس طرح کے کیمیائی اجزاء ملا دیتی ہیں جو انسانی صحت کے لیے بے حد مضر ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح کی تمباکو اور پان مصالحہ بنانا اور بیچنا از روئے شرع جائز ہے یا ناجائز؟

ج:۔ ایسی چیزوں کا بنانا اور بیچنا جو صحت انسانی کے لیے بے حد مضر ہوں جائز تو ہوگا، مگر کراہت سے خالی نہیں ہے اگر حرام چیزیں ملاتی ہیں تو پھر اس کا استعمال کرنا جائز نہ ہوگا۔

س:۔ قرآن مجید کو بذریعہ ٹیپ سننے کے وقت بہت سے لوگ باتیں کرتے رہتے ہیں یا دیگر بہت سے لغو امور میں لگے رہتے ہیں کیا شرعاً ایسا کرنا درست ہے؟

ج:۔ صورت مسئولہ میں بوقت تلاوت قرآن مجید "خواہ بذریعہ ٹیپ ہی کیوں نہ ہو باتیں کرنا، لغو کاموں میں مشغول رہنا از روئے شرع درست نہ ہوگا کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کا فرمان "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ" (ترجمہ) اور جب قرآن پڑھا جائے تو پوری توجہ کے ساتھ سنو اور خاموش رہو۔ شاید تم پر رحم کیا جائے۔" کی صریح خلاف ورزی ہے۔

س:۔ قرآن مجید کے معانی اور مطلب سمجھ کر پڑھنا افضل ہے یا زیادہ سے زیادہ تلاوت کرنا افضل ہے؟

ج:۔ قرآن مجید کے معانی اور مطالب سمجھ کر پڑھنا افضل ہے۔ تاہم تلاوت کا اہتمام بھی زیادہ سے زیادہ ہونا چاہیے یہ بھی بہت بڑے اجر و ثواب اور سعادت کی بات ہے

س:۔ میوزک کے ساتھ نظم یا نعت سن سکتے ہیں یا نہیں؟

ج:۔ میوزک کے ساتھ نظم یا نعت سننا از روئے شرع درست نہیں ہے کیونکہ احادیث مبارکہ سے تمام آلات غنا اور مزامیر (میوزک وغیرہ) کا عدم جواز ثابت ہے۔

س:۔ ایک شخص "التحیات" پڑھتے پڑھتے کبھی بھول جاتا ہے تو پھر اسی کو دہراتا ہے۔ تو کیا اس دہرانے کی وجہ سے اس پر سجدہ سہو لازم آئے گا؟

ج:۔ نہیں دریافت کردہ صورت میں "التحیات" کے دہرانے سے سجدہ سہو لازم نہیں آئے گا۔

س:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کے رہتے ہوئے سالی سے نکاح کرلیا تو کیا یہ نکاح از روئے شرع معتبر ہوگا؟

ج:۔ نہیں بیوی کے رہتے ہوئے اگر اپنی سالی سے شادی کرلی تو یہ شادی جائز نہ ہوگی۔ پہلی بیوی کا نکاح باقی رہے گا وہی عقد میں رہے گی۔

وَاِنْ تزوج احدهما بعد الاخرى
جائز نكاح الاولى وفسد نكاح
الثانيه وَلا يفسد نكاح الاولى
لفساد نكاح الثانيه لان الجمع
بنكاح ثانيه فانتصر الفساد عليه
ويفرق بينه وبين الثانيه.
(بدائع الصنائع ج ۲ صـ ۲۶۳)

ترجمہ:۔ اگر ایک بہن سے نکاح کے بعد دوسری بہن سے نکاح کیا ہے (باقی صـ۲۸ پر)

قنوج کے قدیم مشہور و معروف کارخانہ سے تیار کردہ خوشبودار عمدہ و اعلیٰ عطریات "شمامۃ العنبر، عطر گلاب، روح خس، عطر موتیا، عطر حنا، عطر گل، عطر کیوڑہ" اس کے علاوہ فرحت بخش، دیرپا خوشبو ہول سیل ریٹ پر ملتے ہیں۔
ایک بار آزما کر خدمت کا موقع دیں۔
فون نمبر ۳۲۳۴۵
محمد یٰسین محمد یامین تاجران عطر
ایکسپورٹر اینڈ امپورٹر۔ قنوج۔ یوپی — ایڈیل پرفیوم سینٹر (پرائیوٹ لمیٹڈ) قنوج

ہندوستانی علماء کے علمی کارنامے عالم عرب پر حاوی ہے

ہندوستان کی عظیم شخصیت مولانا سید عبدالحیؒ حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماءؒ پر

۱۶ مارچ ۱۹۹۷ء کو ہونے والے سمینار کی رپورٹ

(حسین امین)

ہندوستان میں ریاست اتر پردیش کی سرزمین اودھ کے مردم خیز علاقے رائے بریلی کی علمی شخصیت مولانا حکیم سید عبدالحیؒ کو جن کا تعلق ہندوستان کی جدوجہد آزادی میں کروفر کے ساتھ حصہ لینے والے خانوادے سے تھا، آج یہاں ایک ایسے مصنف کی حیثیت سے یاد کیا گیا جس نے ہندوستانی تاریخ و تہذیب اور روایات پر کتابوں کی تصنیف و تالیف کے ذریعہ عرب ملکوں کو اس ملک کی تہذیب و ثقافت سے یہاں کے علماء اور صاحب کمال شخصیات سے روشناس کرایا اور دونوں ملکوں کے قدیم تعلقات کو اور بھی مستحکم کرنے میں کلیدی رول ادا کیا۔

حکیم سید عبدالحیؒ کی علمی خدمات کو اتر پردیش اردو اکاڈمی کے زیر اہتمام اکاڈمی کے نو تعمیر آڈیٹوریم میں علامہ سید عبدالحیؒ کی شخصیت اور ادبی کارناموں پر دو روزہ بین الاقوامی سمینار کے افتتاحی اجلاس میں یاد کیا گیا جس کی صدارت مفکر اسلام اور دنیائے اسلام کی ممتاز شخصیت اور اس عظیم شخصیت مولانا سید عبدالحیؒ کے چشم چراغ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے کی اور ملک کے ممتاز نوجوان سیاسی و سماجی رہنما اور سابق مرکزی وزیر مسٹر راجیش پائلٹ نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی اس موقع پر ملک اور بیرون ملک کے مشہور اور ممتاز دانشور بشمول پروفیسر خلیق احمد نظامی شریک ہوئے سمینار کا افتتاح اکاڈمی کے چیئرمین پروفیسر محمد یونس نگرامی نے کیا جو خود بھی بین الاقوامی سطح کے دانشور ہیں۔ یہ پہلا موقع ہے جب سید عبدالحیؒ کی شخصیت پر اس پیمانے پر سمینار منعقد کیا گیا۔

گومتی نگر میں واقع اردو اکاڈمی کی شاندار عمارت کا آڈیٹوریم افتتاحی اجلاس کے موقع پر بہ آواز بلند اپنی کوتاہی دامن کا شکوہ کر رہا تھا۔ سمینار کی کوریج کے لیے ذرائع ابلاغ کے لوگ غیر معمولی طور پر کثیر تعداد میں موجود تھے جن کی توجہ کا مرکز مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تھے جن کا خطبۂ صدارت عالمانہ، فاضلانہ اور بصیرت افروز تھا۔ جو خاص طور سے اس پس منظر میں پیش کیا گیا تھا کہ ہندوستان میں تجدد مکانی اور اختلاف لسانی اور ایک قدیم تر تہذیب اور مستقل زبان (سنسکرت) کا مرکز ہونے کے باوجود یہاں متعدد علوم اسلامیہ پر ایسی تصنیفات موجود ہیں جن کی نظیر نہ عالم عربی میں پائی جاتی ہے نہ عالم اسلامی میں۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا مدظلہ نے کہا کہ اہل علم جانتے ہیں علمی و فنی اصطلاحات کی علوم میں کیا اہمیت ہے ان کے بارے میں سطحیت اور کم علمی اور ان کے محل استعمال سے ناواقفیت کتنے بڑے علمی و تشریحی نقصان کا موجب ہو سکتی ہے۔ اور کسی غیر راسخ العلم کے لیے ان کی تشریح کتنا دشوار اور نازک کام ہے جس میں ذرا سی لغزش پورے مدعا کو نقصان پہنچا سکتی ہے لیکن ان علمی اصلاحات پر جو دو کتابیں سند کا درجہ رکھتی ہیں وہ دونوں ہندوستانی فاضلوں کی تصنیف ہیں یعنی ایک مولانا محمد اعلیٰ تھانوی کی کتاب کشاف اصطلاحات الفنون اور دوسری مولانا عبدالنبی احمد نگری کی جامع العلوم ہے جسے دستور العلماء کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے حضرت مولانا نے کہا کہ عربی لغت اور زبان پر تصنیف و تحقیق کا کام بھی کسی ہندوستانی نژاد کے لیے بڑا جرأتمندانہ اور حوصلہ مندانہ کام ہے۔ اس سلسلے میں مولانا نے کئی ہندوستانی علماء کی مثال پیش کی اور کہا کہ ہندوستان کی اس انفرادیت اور علوم اسلامیہ اور تصنیف و تحقیق کے دائرے میں قیادت و عظمت کے باوجود غالباً بُعد مکانی اور اختلاف لسانی ہی کی وجہ سے عرب مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے ہندوستان کے اہل کمال مصنفین و محققین و خادمین و علم و دین کا اپنی تاریخ و سیر و تراجم کی کتابوں میں بہت کم ذکر کیا گیا ہے اس لیے ضرورت تھی کہ کسی ہندوستانی عالم کے قلم سے عربی میں ہندوستان کے علوم اسلامیہ سے شغف، خدمت اور ان میں امتیازات اور اس سلسلے میں پیدا ہونے والی نادرۂ روزگار شخصیتوں کا تعارف ہوا اور اس سے عالم اسلام یعنی عالم عربی کی ناواقفیت دور ہو۔

حضرت مولانا نے علامہ سید عبدالحیؒ کی عظیم خدمات اس پس منظر میں بتائیں اور ان کی عظیم تصنیف نزہۃ الخواطر کا ذکر کیا جس میں ساڑھے چار ہزار سے زیادہ شخصیات کے تراجم ہیں اور جو پہلی صدی ہجری میں ہندوستان آنے والے صحابہ و تابعین، فاتحین و مبلغین کے ذکر سے شروع ہو کر چودھویں صدی ہجری کے نصف تک کے اعیان و اہل فضل و کمال کے تذکرے پر مشتمل ہو۔ علامہ سید عبدالحیؒ نے جو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ناظم اعلیٰ بھی رہ چکے ہیں اپنی مذکورہ تصنیف کے سلسلے میں جن مآخذ کا فائدہ اٹھایا ان کی تعداد تین سو کتابوں سے کم نہیں اور وہ عربی فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں ہیں۔ مولانا نے اس سلسلے میں یہ اہم بات بھی بتائی کہ عالم عربی میں کوئی تذکرہ یا تاریخی جائزہ ایسا نہیں ملتا جو پہلی صدی ہجری سے یا اس کے بعد ایک دو صدی سے لے کر مصنف یا تصنیف کے عہد تک کے اعیان اور مختلف طبقات و فنون کی ممتاز شخصیتوں کا ذکر ہو۔ عام طور پر بلکہ کلی طور پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ ایک ایک صدی کے مشاہیر اور ممتاز شخصیات کے تذکرے و تعارف پر مشتمل ہے۔

حضرت مولانا مدظلہ نے مولانا سید عبدالحیؒ کی کتاب معارف العوارف فی انواع العلوم والمعارف کا ذکر کیا جو دمشق کی مؤقر علمی اکیڈمی المجمع العلمی العربی نے الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند کے نام سے شائع کیا یہ ہندوستان میں علم و تعلیم کی تاریخ اور ہزار سالہ اسلامی عہد کے مصنفین اور تصنیفات کی ڈائرکٹری ہے۔ انھوں نے بتایا کہ یہ محض تصنیفات کی فہرست نہیں ہے بلکہ پہلے ہر علم کی تعریف و تاریخ بیان کی گئی ہے اور اس علم کے مستند اور مشہور و معیاری کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے پھر اس موضوع پر علمائے ہند کی تصنیفات کا ذکر اور جائزہ ہے، یہ کتاب ایک علمی کارنامہ اور تاریخی تحقیقات کا شاندار نمونہ ہے۔ انھوں نے مولانا سید عبدالحیؒ کی ایک اور کتاب جنۃ المشرق و مطلع النور المشرق کا ذکر کیا جو ہزاروں صفحات کا نچوڑ ہے اور مصنف کی عمر بھر کے مطالعہ کا خلاصہ ہے۔ یہ ہندوستان کے اسلامی عہد کا ایک چھوٹا سا دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) ہے جس سے اس ملک کے اسلامی عہد کی پوری تصویر ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔

حضرت مولانا نے مولانا عبدالحیؒ کی جو ۲۰ کتابوں کے مصنف تھے مشہور اردو کتابوں گل رعنا اور یاد ایام کا بھی ذکر کیا اور کہا کہ سید صاحب نے ۵۴ برس کی عمر پائی جس میں مطب کی مشغولیت بھی تھی ندوۃ العلماء جیسے عظیم ادارے کی نظامت کی ذمہ داریاں بھی تھیں لیکن پھر بھی انھوں نے عظیم تصنیفی کام انجام دیئے۔

ڈاکٹر عبداللہ ترکی کا پیغام:

مملکت سعودی عرب کے وزیر برائے اسلامی امور و اوقاف اور ممتاز علمی شخصیت ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن ترکی نے جو کچھ مصروفیات کی وجہ سے نہیں آسکے اپنے ایک پیغام میں علامہ سید عبدالحیؒ کی علمی خدمات کا اعتراف کیا اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی دنیائے اسلام میں بے پناہ خدمات اور ان کی علمی اور دینی حیثیت پر فخر کا اظہار کیا۔ سمینار کی کامیابی کی دعا کی اور امید ظاہر کی کہ اس کے نتائج علمی دنیا کے لیے مفید ہوں گے۔ ڈاکٹر الترکی کا پیغام سعودی عرب کے احمد بن عبدالرحمان الخلیفہ نے پڑھ کر سنایا جو خاص طور سے آئے تھے۔

ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی نے ہندوستان میں ندوۃ العلماء، مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اور ان کے والد علامہ سید عبدالحیؒ کی خدمات کو سارے عالم اسلام کے لیے اہم قرار دیا اس کے علاوہ انھوں نے کئی اور ہندوستانی علماء کا ذکر کیا۔

ڈاکٹر الترکی نے اس ضرورت پر بھی زور دیا کہ عصری علوم پر جن میں سائنس اور ٹکنالوجی شامل ہے بھی توجہ دینا چاہیے کیوں کہ اسلامی علوم کے ساتھ عصری علوم سے بھی انسانیت کی خدمت کی جا سکتی ہے۔ انھوں نے اس بات پر خاص زور دیا کہ مسلم خواتین کی تعلیم پر توجہ ضروری ہے۔ انھوں نے کہا کہ مومن مسلم عورتیں کو تیار کرنا چاہیے جو کئی نسل کو اسلامی عقائد کے ساتھ تعلیم دیں۔ اس عربی پیغام کا اردو ترجمہ ندوہ کے استاد مولانا محمد رضوان صاحب ندوی نے کیا۔

پروفیسر نظامی:

اس موقع پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سابق صدر شعبہ تاریخ اور عالمی سطح کے تاریخ داں پروفیسر خلیق احمد نظامی نے مولانا سید عبدالحیؒ پر ایک مقالہ پیش کیا اور سید صاحب کو پیکر خاکی میں علوم و معارف کی ایک ایسی وسیع شخصیت قرار دیا ہے جس نے ان کو "گل سدا" بنا دیا۔ پروفیسر صاحب نے عالم اسلامی کے نقشے پر ہندوستان کے مقام پر روشنی ڈالی

مہمان خصوصی:-

مسٹر راجیش پائلٹ نے جو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی طویل عمر اور صحت کے لیے پورے خلوص سے دعا گو تھے۔ مولانا کو یہ اطمینان دلایا کہ ملک میں سدھار آئے گا انھوں نے مولانا کی ایک موقع پر ملک کی حالت پر پریشانی کے حوالے سے کہا کہ عام جنتا میں اب کرپشن کے خلاف لڑنے کا احساس پیدا ہوا ہے اور یہ بھی کہ ہم رسم و رواج میں الگ الگ ہو کر بھی

ایک ہیں۔ انھوں نے اردو داں طبقے سے اپیل کی کہ وہ اردو کے ذریعہ جو ہمیشہ پیار کی زبان رہی ہے پیار کو عام کریں۔ انھوں نے اقلیتی فرقہ کے بچوں کی تعلیم اور اعلیٰ ملازمتوں کے لیے کوچنگ کی ضرورت پر زور دیا۔ انھوں نے اپنے کسان ٹرسٹ سے مالی امداد فراہم کرنے کی پیش کش کی اور اکاڈمی کے ذمہ داروں سے کہا کہ یہ کام شروع کریں۔ انھوں نے عوام سے اپیل کی کہ ملک کو توڑنے والوں کے خلاف منظم ہوں۔ انھوں نے اعتراف کیا کہ کرپشن اوپر سے آتا ہے۔ انھوں نے سیاست میں سدھار کی ضرورت پر زور دیا۔

افتتاح :-

اکاڈمی کے چیئرمین پروفیسر محمد یونس نگرامی نے سمینار کا افتتاح اپنے پرمغز اور فاضلانہ خطبے سے کیا جس میں انھوں نے یہ بھرپور اشارہ دیا کہ لوگ سب بھول جاتے ہیں، لڑائی، جھگڑے، جنگیں لیکن علمی اور ادبی کارنامے ہمیشہ یاد رکھے جاتے ہیں۔ اور دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ سلطنتوں اور حکومتوں کے اصل معمار ہمیشہ علماء و ادباء و مشائخ اور دینی مرشد رہے ہیں مشائخ کی خانقاہیں علماء کی درسگاہیں اور مصنفین کی کتابیں ان سلطنتوں کے لیے دل کا کام کرتی رہی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہندوستانی علماء و فضلاء اور ادباء نے اپنی علمی کاوشوں سے وہ کہکشاں سجائی ہے جس سے عالم اسلام کی آنکھیں بھی خیرہ ہیں انھوں نے متعدد ہندوستانی علماء و فضلاء کا ذکر کیا اور مولانا سید عبدالحیؒ کی علمی شخصیت کو عقیدت کا خراج پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان کی علمی کاوشوں کے بارے میں ایک ذہین و فہیم عالم نے کہا ہے کہ یورپ میں جو کام اکاڈمی کرتی ہے وہ مشرق و ایشیا میں بعض اوقات ایک "آدمی" کر لیتا ہے۔

پروفیسر نگرامی نے مولانا سید عبدالحیؒ کی علمی خدمات اور شخصیت کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی اور کہا کہ ہندوستانی سلاطین نے اگر اس ملک کو لال قلعہ کی مضبوطی، جامع مسجد کی پاکیزگی، تاج محل کی خوبصورتی اور قطب مینار کی بلندی عطا کی ہے تو ہندوستانی علماء و ادباء کی علمی خدمات نے ہندوستان کو عالم اسلام کی علمی محفل میں انکسار لیکن اعتماد کے ساتھ ایک باوقار مقام پر سرنشیں کیا ہے۔

سمینار جس کے افتتاحی اجلاس کے موقع پر اکاڈمی کے سکریٹری مسٹر شاہ نواز قریشی نے سمینار کی تفصیل بتاتے ہوئے ڈاکٹر شبیر احمد ندوی کو نظامت کے فرائض انجام دینے کی دعوت دی، مسٹر اطہر نبی نے اس موقع پر مسٹر راجیش پائلٹ کی پیش کش کا خیر مقدم کیا۔

سمینار میں شرکت کرنے والوں میں مکہ یونیورسٹی کے سابق پروفیسر ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی، مولانا سید محمد رابع حسنی، مولانا سید اطہر اعظمی ندوی، مولانا نذر الحفیظ ندوی، حکومت یوپی کے سکریٹری صاحبان جن میں مسٹر انیس انصاری، مسٹر سنت کمار ترپاٹھی، اور سکریٹری بھاشا مسٹر جگناتھ سنگھ، مسٹر محمد حلیم خاں، مسٹر عشرت علی صدیقی شامل تھے۔

افتتاحی نشست کے بعد سمینار کا پہلا جلسہ اسی دن بعد نماز ظہر تین بجے اردو اکیڈمی کے ہال میں ہوا۔ مولانا عبداللہ عباس ندوی نے صدارت کی۔ پروفیسر محمد اجتبار ندوی، پروفیسر سید ضیاء الحسن، ڈاکٹر محسن عثمانی وغیرہ نے مولانا سید عبدالحیؒ کی شخصیت اور ان کی تصنیفات پر پُرمغز مقالے پیش کئے۔ آخر میں صدر اجلاس نے بھی اپنا مقالہ سنایا۔ اور مقالات پر تبصرے کئے۔

سمینار کے دوسرے دن گیارہ بجے سے چار بجے تک مقالات کی دو نشستیں ہوئیں جن میں مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی، مولانا نذر الحفیظ ندوی ہولانا سید عبداللہ حسنی ندوی ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی (میسور) پروفیسر عابد سہیل (دکھنؤ) پروفیسر نثار احمد فاروقی، پروفیسر محمد راشد ندوی، مولانا ابوسبحان روح القدس ندوی، مولانا جعفر مسعود حسنی، پروفیسر انیس چشتی (پونہ) نے گل رعنا، نزہۃ الخواطر الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند کا تحلیل و تجزیہ پیش کیا۔ اجلاس کی صدارت پروفیسر نثار احمد فاروقی، اور پروفیسر محمد راشد ندوی نے کی۔

افتتاحی اجلاس کی صدارت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے کی۔ آپ نے اس سمینار پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کسی انسان کے کارناموں، اس کی جدوجہد اور علمی و دینی خدمات کا اعتراف اور ان کی قدردانی و احسان شناسی ہمیشہ سے قابل تعریف اور پسندیدہ رہی ہے۔ اس سے لوگوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور کام کرنے اور آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

مولانا مدظلہ نے اردو اکاڈمی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے اس سمینار کے منعقد کرنے والوں کا شکریہ ادا کیا۔ جلسہ میں گورنر یوپی رومیش بھنڈاری بھی شریک تھے۔

بعد نماز مغرب ندوۃ العلماء کی طرف سے شرکاء سمینار کے اعزاز میں شبلی ہال میں ایک استقبالیہ دیا گیا جس کی صدارت

(باقی صفحہ ۲۷ پر)

اجودھیا کا المیہ

مادھو گوڈبولے × ترجمہ × شارق علوی

قسط نمبر ۱۱

مرکزی حکومت رام جنم بھومی بابری مسجد سے متعلق مقدمات میں اپنے کو الگ رکھنا چاہتی تھی۔ اگرچہ کچھ معاملات میں اس کو بھی فریق بنایا گیا تھا، لیکن ۲۰ نومبر ۱۹۹۲ء کو سپریم کورٹ نے کہا کہ اس کا خیال ہے کہ یہ ضروری ہے کہ حکومت ہند بھی اپنے خیالات کا اظہار کرے تاکہ ہم فیصلہ کرتے وقت اس بات کا یقین کریں کہ عدالتی احکامات پر عمل درآمد ضرور ہوگا۔

میں نے سپریم کورٹ کے پہلے جملے کو ترجیح دیتے ہوئے کہ جس میں حکومت ہند کے عندیہ کی وضاحت کے بارے میں کہا گیا تھا میں نے ان معاملات کی ایک فہرست تیار کرلی جن سے عدالت کو معاملہ میں حکومت ہند کے موقف کو سمجھنے میں آسانی ہو جیسے کارسیوا شروع کرنے سے پہلے اتر پردیش حکومت سے کہا جائے کہ وہ مندر کا مجوزہ نقشہ داخل کرے اور جس میں یہ صاف طور پر نشاندہی کر دی جائے کہ متنازعہ آراضی یا عمارت پر کارسیوا یا مندر تعمیر کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اور وہ پورا علاقہ جس کی عدالتی احکامات کے صادر ہونے سے قبل متنازعہ حیثیت ہے اس کو جملہ کارروائی سے الگ رکھا جائے گا۔

وزارت قانون اور سرکاری وکیل کی معلومات کے لیے جو رپورٹ تیار کی گئی تھی اس کی ایک نقل فیکس سے وزیر اعظم کو جو سینگال دورے پر گئے تھے بھی بھیجدی گئی۔ ۲۲ نومبر کو وزیر اعظم ہندوستان واپس آئے ہوائی جہاز سے اترتے ہی انھوں نے ہوائی اڈے پر ہی راجگوپال اور مجھ کو الگ لے جاکر وزارت داخلہ کے تیار کئے ہوئے متذکرہ بالا نوٹ پر اپنی ناپسندیدگی ظاہر کی۔ ان کا کہنا تھا کہ کانگریس (آئی) کے مینی فسٹو میں جو وعدہ کیا گیا ہے اس سے ہم آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی منظوری کے بغیر انحراف نہیں کر سکتے۔ میں نے وزیر اعظم کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ جو رپورٹ تیار کی گئی ہے عدالت کو مرکزی حکومت کے موقف سے مطلع کرنے کی اس میں اور کانگریس مینی فسٹو میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لیکن وہ میری بات سننے کو تیار نہیں تھے۔ اس لیے میں نے معاملہ وہیں ختم کر دیا۔

آخر میں وزارت قانون نے مشورہ دیا کہ مرکزی حکومت صرف عدالتی احکامات کے عمل درآمد اور کس طرح وہ اس میں مدد کر سکتی ہے تک ہی اپنی بات محدود رکھے اسطرح میرے خیال میں ہم نے بی جے پی کو اپنے ارادوں کو برسر عام نہ لانے میں مدد کی اور یہ موقع دیا کہ وہ مندر کا پلان اور کارسیوا کے دائرۂ عمل کی عوامی وضاحت سے محفوظ رکھے۔

سپریم کورٹ میں مقدمہ کی سنوائی ۲۳، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸ اور ۳۰ نومبر، ۲، ۱، ۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کو ہوتی رہی ہر تاریخ پیشی پر ۶ دسمبر کو چھوڑ کر حکومت عدالت کو اجودھیا میں بڑھتے ہوئے خطرات سے واقف کراتی رہی اور رازدارانہ طور پر خفیہ محکمے کی رپورٹ جس میں متنازعہ ڈھانچے کو خطرہ لاحق ہونے کی بات تھی بھی بتائی گئی۔ ہوائی جہاز سے لیے گئے فوٹو بھی پیش کئے گئے اجودھیا کی تازہ ترین صورت حال کا سپریم کورٹ نے جائزہ لیتے ہوئے کچھ حتمی وعدے اتر پردیش حکومت سے حاصل کئے عدالت کی اس کارروائی نے وزیر اعظم کو معاملہ میں اپنی طرف سے کوئی فیصلہ یا کارروائی نہ کرنے کا ایک جواز مہیا کر دیا حالانکہ سپریم کورٹ نے حکومت کو اس بات کی واضح ہدایت دی تھی کہ وہ اپنے تئیں جو بھی کارروائی چاہے حالات کے مطابق کر سکتی ہے۔

سپریم کورٹ میں سنوائی کے دوران حکومت ہند کو بابری مسجد" کارسیوا بنانے کا سوال کئی بار وزیر اعظم سے گفتگو میں اٹھا۔ ۲۳ نومبر کے قریب اس پر فیصلہ لیا جا سکا۔ کیونکہ حکومت ہند نے عدالت کو یہ یقین دلایا تھا کہ وہ اس کارروائی کے لیے اور ذمہ داری لینے کے لیے تیار ہے۔ جو عدالت کی طرف سے اس کے سپرد کی جائے میں نے وزیر اعظم کو ایک بار پھر آگاہ کیا کہ اگر عدالت کے احکامات کے تحت

مرکزی حکومت "رسیور" کی ذمہ داری قبول کرتی ہے تو اسے ریاستی حکومت کو دفعہ ۳۵۶ کے تحت برخاست کر کے صدارتی راج نافذ کرنا ہوگا، بعد میں جب کارسیوک کثیر تعداد میں اجودھیا میں جمع ہونے لگے۔ اور فضا کافی خراب ہوگئی "رسیور" کا معاملہ التواء میں پڑ گیا کیونکہ ریاستی حکومت بار بار اپنا موقف بدل رہی تھی اس وقت یہ خیال ہوا کہ مرکزی اور ریاستی حکومت کی مشترکہ تحویل میں متنازعہ ڈھانچہ کو دینے اور اسپر سپریم کورٹ کی نگرانی سے ہی حالات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ غرضکہ یہ کام بھی وقت پر نہیں ہو سکا حالانکہ اس سے خطرات کے ٹل جانے کی قوی امید تھی۔ سپریم کورٹ نے بھی اپنے ارادے پر نظر ثانی کرنے کے بعد "رسیور" کے بجائے "آبزرور" (دیکھنے والے) تعینات کر دیئے جو اس کے احکامات کی تعمیل پر نظر رکھ سکیں اس سے حفاظت کا ایک پر فریب تصور ہی پیدا ہو سکا کیونکہ بعد کے حالات سے ثابت ہوگیا کہ ان کی تعیناتی فضول تھی۔ اور ان کی موجودگی کے باوجود عدالتی احکامات اور قانون و ضابطوں پر عمل درآمد ممکن نہیں ہو سکا۔

اس دوران ایک دلچسپ بات یہ نظر آئی کہ اجودھیا کا مسئلہ شاید ہی کبھی پوری کابینہ کے سامنے زیر بحث آیا ہو۔ ۶ر دسمبر سے تین ماہ قبل یہ عمل شروع ہوگیا تھا۔ کہ اجودھیا کا معاملہ سی سی پی اے کی میٹنگ میں جو معمول کے مطابق نہیں ہوتی تھیں (انفارمل) گفتگو کا موضوع بنتا تھا۔ اور اس میٹنگ کی کارروائی ریکارڈ نہیں کی جاتی تھی یعنی اس کا کوئی تحریری ثبوت محفوظ رکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی کہ آخر مسئلہ کو حل کرنے یا اس سے نپٹنے کے بارے میں کسی کارروائی پر غور کیا جارہا ہے یا نہیں چونکہ سرکاری طور پر ان ملاقاتوں کے نتائج اخبار والوں کو نہیں مل پاتے تھے اس لیے وہ اس موضوع پر اپنی طرف سے یا کہی سنی باتوں کو بنیاد بنا کر طرح طرح کی خبریں شائع کر رہے تھے۔ ارجن سنگھ نے کئی بار ان مسئلوں کو برسر عام اٹھایا جن پر ان ملاقاتوں میں فیصلہ لیا گیا تھا اور ان پر کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

وزیر اعظم نے مجھ سے کئی بار ذکر کیا کہ وزیر داخلہ کبھی ملتے ہی نہیں ہیں اور ان کی صحت بھی ٹھیک نہیں رہتی اس کی وجہ سے خود انہیں ہر بات کو خود ہی دیکھنا پڑتا ہے۔ میں نے وزیر داخلہ کو وزیر اعظم کی اس بدگمانی سے مطلع کر دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ ان کو خود اس بات کا ملال ہے کہ وزیر اعظم ان کو اعتماد میں لیئے بغیر جونیئر وزراء سے اجودھیا کے مسئلہ سے متعلق معاملات طے کرانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

اس پورے دور میں اکیلا میں ہی جملہ افسران کے درمیان نکتہ بنا ہوا تھا کہ جو اتر پردیش کی حکومت کو برخاست کیئے جانے کی پیروی کر رہا تھا۔ لیکن بدقسمتی دیکھئے کہ کچھ ساتھیوں کی ریشہ دوانیوں کی بدولت حکومت کی بدنامی اور نااہلی میرے سر مڑھی جانے لگی۔ کہ میں چوں کہ بھارتیہ جنتا پارٹی کا ہمدرد تھا اس لیے ایسے حالات سے حکومت کو دوچار ہونا پڑا۔ متذکرہ بالا حقائق اور آگے جن باتوں کا میں ذکر کرنے جا رہا ہوں اس سے ظاہر ہو جائے گا کہ یہ بات حقیقت سے کتنی دور تھی۔

انہدام اور اس کے بعد:-

سورج ہر روز کی طرح طلوع ہوا۔ صبح ہوئی لیکن یہ نہیں معلوم تھا۔ کہ آج کا دن حادثات سے بھرا ہوگا۔ اور خطرناک و دردناک واقعات کی گواہی دیگا۔ اتوار کا دن تھا۔ اور میں سوچ رہا تھا کہ دفتر دیر سے جاؤں گا۔ بلکہ یہ بھی خیال آیا کہ میں اور اہلیہ ڈائرکٹر جنرل این۔ ایس۔ جی کی لڑکی کی شادی کی تقریب ہے۔ اس میں ہوتا ہوا دوپہر ۱۲ر بجے تک دفتر پہونچ جاؤں گا لیکن شاید آنے والے واقعات نے مجھے دفتر جلد ہی پہنچنے کے لیے بے چین کر دیا۔ چنانچہ میں ہر روز کی طرح پونے نو بجے دفتر پہنچ گیا چونکہ چھٹی کا دن تھا اس لیئے زیادہ تر افسران نہیں آئے تھے۔ میں نے پہلے خفیہ محکمے سے نیز کنٹرول روم سے اجودھیا کی تازہ صورت حال معلوم کی پتہ چلا کہ وہاں حالات معمول پر ہیں۔ کارسیوا کی تیاریاں شروع ہو رہی ہیں۔ بخشتہ چبوترہ جو پہلے تعمیر ہوا تھا اس کی صفائی دھلائی ہو رہی ہے۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ جلسہ عام جس میں بی جے پی، وی۔ ایچ۔ پی اور دیگر جماعتوں کے لیڈر حصہ لے رہے ہیں کی بھی تیاریاں زور شور سے ہو رہی ہیں، میں نے پھر فیض آباد فون کر کے آر کے۔ ڈدھیرا ڈائرکٹر جنرل

آئی ٹی بی پی سے رابطہ قائم کیا۔ ڈدھیرا مرکزی ٹیم فوجی دستوں کی سربراہی کے لیے دہلی سے فیض آباد بھیجے گئے تھے۔ ڈدھیرا نے بتایا کہ فیض آباد میں حالات معمول پر ہیں لیکن کارسیوکوں کی نیت جارحانہ اور سفاکانہ محسوس ہو رہی ہے۔ میں نے ڈدھیرا کو پھر آگاہ کیا کہ وہ ہوشیار رہیں اور اپنے ماتحت دستوں کو تیار کی حالت میں رکھیں تاکہ ریاستی حکومت کی مدد کے لیے ضرورت پڑنے پر اجودھیا پہنچ سکیں میں نے ان کو صاف طور پر ہدایت کر دی تھی۔ کہ وہ ریاستی حکومت سے مدد طلب کرنے پر فوراً مطلوبہ مدد مہیا کر دیں۔ اور مرکزی حکومت سے اجازت لینے یا اس کو آگاہ کرنے پر وقت ضائع نہ کریں۔

مرکزی خفیہ پولیس کے سربراہ وی۔ جی ویدنے دس بجے کے قریب مجھے فون پر اطلاع دی کہ اجودھیا میں حالات معمول پر ہیں بارہ بجے پھر ان کا فون آیا کہ کچھ کارسیوک مسجد میں گھس گئے ہیں اور اس کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔

مسجد پر حملے کی اطلاع ملتے ہی میں نے وزیر داخلہ کو بتایا۔ اس درمیان وزیر اعظم کو خفیہ پولیس کے سربراہ وی جی وید پہلے ہی مطلع کر چکے تھے۔ میں نے راجگوپال نریش چندرا اور قانون سکریٹری راؤ سے کہا کہ وہ سب میرے کمرے میں آجائیں اور یہیں سے حالات پر نظر رکھی جائے۔ دوپہر ایک بجے تک سب میرے دفتر میں پہونچ گئے۔ وید سے برابر رابطہ قائم تھا۔ وزارت داخلہ کے سینیر افسران برابر اجودھیا سے سیدھے حالات معلوم کر رہے تھے۔ ہم سب اب اس بات پر متفق تھے کہ مرکزی حکومت کے پاس اب کوئی چارہ نہیں ہے۔ اور ریاستی حکومت کو ہی حالات کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ مرکزی مداخلت بڑے پیمانے پر خون خرابے کا باعث ہوگی۔ اور اس سے دور رس نتائج بڑے ہی خطرناک ہوں گے۔

۱۱ر بجے سے ۵ر بجے تک ہمارے افسران برابر ریاستی حکومت کے افسران سے رابطہ قائم کئے رہے اور ان پر زور دیتے رہے کہ وہ مرکزی نیم فوجی دستوں کو حرکت میں لائیں۔ اس کی تفصیلات حکومت نے جو قرطاس ابیض جاری کیا ہے اس میں دی گئی ہیں لیکن یہ بات صاف تھی کہ ریاستی حکومت نے بہ طے کر لیا تھا کہ وہ مرکزی دستوں کی مدد نہیں لے گی۔

۶ر دسمبر ۱۹۹۲ء کو اجودھیا میں جو ہو رہا تھا وہ ۱۸۵۵ء میں اجودھیا میں ہندو مسلم فساد کی یاد تازہ کرتا تھا، جیسا کہ فیض آباد ضلع گزیٹیر میں لکھا ہے کہ وہ بادشاہ کی فوج موجود تھی مگر اس کو مداخلت کی اجازت نہیں تھی۔ (جاری)

(بقیہ)

ہندوستانی علماء کے علمی کارنامے

مولانا مدظلہ نے فرمائی۔

مہتمم دارالعلوم مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی، پروفیسر نثار احمد فاروقی، پروفیسر محمد یونس نگرامی نے سمینار کے مقاصد اور اس کی افادیت واہمیت اور مولانا عبدالحی حسنیؒ کے علمی کارناموں کے بارے میں اپنے تأثرات کا اظہار کیا۔

آخر میں صدر اجلاس مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ترجمۃ النحواط کی علمی وادبی افادیت وخصوصیت پر روشنی ڈالی۔

بعد نماز عشاء مہمانوں کے اعزاز میں عشائیہ دیا گیا جس میں شہر کے معززین نے بھی شرکت کی تھی۔

بمبئی کے قارئینِ "تعمیرِ حیات" سے

بمبئی کے قارئینِ تعمیر حیات حضرات سے گذارش ہے کہ تعمیر حیات کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں۔ وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔

ALAUDDIN TEA
Tea Merchants
44, Haji Building,
S. V. Patel Road, Null bazaar, Bombay-400 003.
Tele. : Add Cupkettle Tel. : 3762220/3728708
Tel. (R) 3095852

۲۴ نمبر اور ۱۲ نمبر کی اسپیشل چائے حاصل کیجئے۔

قرآنِ کریم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی، دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کیلئے شائع کیجاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں انکو پھینکنا اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

مطالعہ کی میز پر

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

نام کتاب۔ "علامہ عبدالسلام الدرکی کا سفرنامہ حج"۔ ترجمہ: از سید ضیاء عبداللہ ندوی سائز ۱۸×۲۲/۸ صفحات۔ ۱۲۸، طباعت اینٹیک قیمت ۵۰/- روپئے۔

ملنے کا پتہ: مجلس علمی، بی ۱۲۱، ذاکر باغ، اوکھلا روڈ نئی دہلی۔ ۲۵۔

حج اور اس کے ذکر سے ہر مسلمان کا جذباتی لگاؤ ہے، دور ترقی نے جو حالات پیدا کر دیئے ہیں۔ ان میں علامہ طنطاوی کا یہ جملہ "کسبنا الوقت وخسرنا العواطف" صحیح ہے، لیکن آج بھی کتنی سعید روحیں ہیں جن کی آنکھیں حج کے کسی بھی ذکر سے ڈبڈبا آتی ہیں۔ ایسے ہی نفوس اس کتاب کو پڑھیں گے اور روحانی لطف سے محظوظ ہوں گے۔

جس میں اب سے ۲۲۱ سال پہلے سفر حج کے ایک پرخلوص مسافر کا خود نوشت بیان ہے جس نے خشکی کے راستے سفر کیا اور قدم قدم پر رونگٹے کھڑے کر دینے والی مشکلات بلکہ موت کے خطرات کا سامنا کرتے ہوئے سفر حج مکمل کیا اور مناسک حج ادا کیے۔ اللہ تعالیٰ اس مسافر کے درجات بلند فرمائے۔ اور تبصرہ نگار کو بھی ان جذبات کا کوئی حصہ نصیب فرمائے۔

مولوی سید ضیاء عبداللہ عباس ندوی حفظہٗ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انھوں نے ایک صاحب دل و صاحب ذوق حاجی کے سفرنامہ کا اردو ترجمہ کر کے ان کے جذبات و کیفیات سے اردو دانوں کو روشناس کرایا۔ اسی کتاب کے مطالعہ سے جہاں اصحاب قلوب قلبی کیفیات سے لطف اندوز ہوں گے۔ وہیں حاجی صاحبان مناسک حج کی ادائیگی میں اس سے رہنمائی بھی پائیں گے۔

ترجمہ کی زبان ماشاء اللہ شستہ وسلیس ہے عنوان "علمائے مغرب کے سفرنامے" کے تحت کچھ سفرناموں کا تعارف کرایا گیا ہے جس سے کتاب اور قیمتی ہوگئی ہے۔ کاش کہ اس سفرنامہ میں مدینہ طیبہ کے سفر کا بھی بیان ہوتا۔

نام کتاب "ہمارا دین"۔ مرتب ر۔ احمد حقانی ندوی۔ سائز ۱۸×۲۲/۸ "کتابت وطباعت عمدہ صفحات: ۸۲ قیمت ۱۶ روپیہ ملنے کا پتہ: مجلس شباب اسلامی میہون والا معافی، دہرہ دون (یو۔پی)

حقانی صاحب نے "ہمارا دین" کا سیٹ ہندی اور انگلش میڈیم اسکول جانے والے طلباء کے صباحی و شبینہ درجات کے لیے تیار کیا ہے میرے سامنے اس کا پہلا حصہ ہے اس کے پہلے سبق کا معیار درجہ ۲ یا ۳ کی اردو کا ہے، چھوٹے چھوٹے اسباق سے عقیدہ و عمل دونوں کی تعلیم کا نظم کیا گیا ہے پھر چھوٹی چھوٹی نظمیں بھی دی گئی ہیں جو دلچسپ بھی ہیں اور معلوماتی بھی، ہر سبق کے آخر میں سبق کی تفہیم کے لیے سوالات بھی دیئے گئے ہیں۔ خالی جگہیں پر کرنے کا تحریری کام اچھے اساتذہ کاپی ہی پر لیں گے۔ لیکن اگر سوال میں اس کا اشارہ بھی ہوتا تو بہتر ہوتا۔ صباحی و شبینہ مدارس کے طلبہ کو دین سکھانے والا اچھا سیٹ معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے حصے میری نگاہ سے نہیں گزرے۔

بقیہ:۔ سوال و جواب

تو پہلی کا نکاح درست ہے اور دوسری کا فاسد ہے۔ دوسری کے فساد کے وجہ سے پہلی کا نکاح فاسد نہ ہوگا کیوں کہ دوسری سے عقد کی وجہ سے جمع پایا گیا ہے تو صرف اسی فساد کا انحصار ہوگا۔ اور اس کے اور دوسری کے درمیان تفریق کی جائے گی۔

س:۔ نوٹ یا پوسٹ کارڈ (تصویر والے) جیب میں رکھ کر نماز پڑھنے کو کیا حکم ہے؟

ج:۔ تصویر والے نوٹ یا پوسٹ کارڈ وغیرہ کو جیب میں ضرورۃ رکھ کر نماز پڑھنے سے کوئی خرابی نہیں آتی ہے۔

بقیہ:۔ درسِ حدیث

اسلام اس حکیمانہ تربیتی انداز سے عربوں کو جاہلی رسم و رواج، اخلاق و مادیت پسند ذہنیت اور جاہلانہ معاشرتی تعلقات سے نکال کر نیکی اور بھلائی کی بلندی پر پہنچا رہا تھا۔

حضرت ابو مسعود بدری سے مروی ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سواری مانگنے آیا۔ آپ نے فرمایا ہماری سواری چلنے سے قاصر ہے۔ آپ نے فرمایا فلاں کے پاس جاؤ، وہ شخص ان صاحب کے پاس گیا اور انھوں نے اس کو سواری دے دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی اچھے کام کا مشورہ دیا تو اس کو وہی ثواب ملے گا جو اس کے کرنے والے کو ملے گا[1] (راوی نے فاعلہ أو عاملہ) کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی راوی کو صحیح یاد نہیں رہا کہ آپ نے لفظ فاعلہ ارشاد فرمایا تھا یا عاملہ)

ان احادیث کا پڑھنے والا ان حدود و آفاق کی بلندیوں کو دیکھے گا جن پر اللہ تعالیٰ بندۂ مؤمن کو اپنے قیمتی اور نہایت درست طرز تربیت سے پہونچاتا اور ان میں شرف و بلندی جود و سخا عفو و درگزر کی خوبیاں فراہم کر باہمی بھائی چارہ، رحم و محبت، اور تعاون کا شوق و جذبہ پیدا کرتا ہے یہ ایسی اقدار ہیں جو خیر کی تمام شکلوں اور دعوت کے تمام طریقوں پر حاوی ہیں۔ مثلاً مدارس قائم کرنا، اسپتال بنوانا، دعوتی کام کے لیے جدید ترقی یافتہ ذرائع اور وسائل کا استعمال کرنا۔ جن میں کیسٹ کمپیوٹر جیسی چیزیں شامل ہیں۔ جو بہت آسانی کے ساتھ آیات و احادیث کو کمپیوٹرائز کر دیتی ہیں اس لیے کہ ہدایت کی دعوت زبانی و عملی اور شرعی وسائل اور نئے آلات کی مدد سے دی جاتی ہے تو جو شخص ان ذرائع سے دعوت کا کام کرے گا۔ اس کو اس پر عمل کرنے والوں کا بھی اجر ملے گا اور ان عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔

(اور جو شخص کسی گمراہی کی دعوت دے گا تو اس کو گناہ بھی اتنا ہی ہوگا جتنا اس گناہ کے کرنے والوں کو جنھوں نے گناہ کی دعوت دینے والے کی اتباع میں گناہ کیا ہے۔ اور ان گناہ کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ حدیث کے اس حصہ کی تفسیر و وضاحت قرآن کریم کی اس آیت سے بھی ہو جاتی ہے۔

(مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا)[2]

اس (قتل) کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل کیا کہ جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے، یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے۔ اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا، اور جو اس کی زندگی کا موجب ہوا۔ تو گویا تمام لوگوں کی زندگی کا موجب ہوا۔

سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کسی مسلمان کے قتل کو حلال سمجھا گویا اس نے تمام لوگوں کے قتل کو ناجائز قرار دیا۔ اور جس نے کسی مسلمان کے قتل کو ناجائز قرار دیا گویا اس نے تمام لوگوں کے قتل کو ناجائز قرار دیا۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ "فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا" انھوں نے فرمایا اس کی سزا وہ ہوگی جو پوری انسانیت کو قتل کرنے کی ہو سکتی ہے اور جو کسی کی زندگی کا سبب بنا تو اس کا اجر ایسا ہوگا جیسے وہ تمام انسانوں کی زندگی کا سبب بنا ہو۔[3]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے بھی یہی مفہوم نکلتا ہے۔

حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص بھی ظلماً قتل کیا جائے گا۔ اس کے قتل ہونے کا گناہ حضرت آدم کے بیٹے (قابیل) کو ہوگا۔ اس لیے کہ وہی قتل کی ابتدا کرنے والا ہے۔ عبدالرزاق نے کہا کہ اس نے قتل شروع کیا۔[4]

یہ حدیث خیر و نیکی کی سب صورتوں کی جامع ہے اور شر اور برائی کی تمام شکلوں سے ڈراتی اور ہوشیار کرتی ہے۔

۱۔ حدیث۔ ذیل میں سورۂ نور کی آیات کے کچھ معنی کو واضح کرتی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ[5]

اور جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی (یعنی تہمت بدکاری کی خبر) پھیلے ان کو دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب ہوگا اور خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

---

[1] مائدہ۔ ۳۲

[2] تفسیر ابن کثیر۔ مائدہ۔ ۳۲ [3] تحفۃ الاحوذی

[4] سورۂ نور۔ ۱۹

یہ تربیت انسانی کے انداز کا ایک پہلو اور احتیاط و بچاؤ کے ذرائع میں سے ایک فرمان ہے۔ جس کا مدار انسانی نفسیات سے واقفیت اور اس کے احساسات و رجحانات کو سمجھنے پر ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ (اَللّٰہُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ) اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ فحش رسالے اور عریاں تصویریں اور فتنہ سامان، اعضا، کا نمایاں کرنا، شر میں شامل ہے۔ اس صورت حال کی خطرناکی کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ یہ چیزیں اخلاقی اقدار اور تربیتی تعلیمات کو دل کے اندر کس طرح پاش پاش کر دیتی ہیں خصوصاً نوخیزوں پر تو اس کے کتنے غیر معمولی اثرات پڑتے ہیں اسی وجہ سے اس کی شناعت اس درجہ بیان کی گئی کہ ایک کے سبب جتنے افراد بھی اس مہلک فتنہ میں مبتلا ہوں گے، سب کا وبال اس شخص پر ہوگا جس نے اس گناہ میں پہل کی یا اس کے اسباب مہیا کئے۔

اور جس شخص نے بھی کسی نئے انداز کی آوارہ روی کی دعوت دی یا اول اول اس کو کیا تو اس پر ان تمام لوگوں کا گناہ ہوگا جو اس کو دیکھ کر یا اس کی تحریک پر اس میں مبتلا ہوتے جائیں گے۔ اس لیے کہ یہ مرض اس کے عمل سے پیدا ہوا ہے، جو شیطان کے کاموں میں سے ہے اور بندہ کسی گناہ کا سبب بننے یا اس کے عمل سے پیدا ہونے والے برے نتائج پر سزا کا مستحق ہوگا جیسے نشہ میں مبتلا شخص کو بحالت نشہ سزا دی جائے گی اگر نشہ کا سبب ممنوع ہے تو نشہ میں مبتلا شخص معذور نہ سمجھا جائے گا اللہ تعالیٰ حرام اسباب کے اختیار کرنے اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے غلط اثرات پر ایسے ہی سزا دیتا ہے۔ جیسا کہ وہ نیک کاموں پر جزا دینے کا حکم ہے ثواب دیتا اور نوازتا ہے۔ [1]

[1] فیض القدیر

حدیث کا فقہی پہلو

[illegible] بیضاوی نے کہا کہ بندوں کے افعال چاہے وہ بذاتِ خود ثواب و سزا کے موجب و مقتضی نہ ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ ثواب و سزا کو ایسے ہی جوڑنا اور متعین کرتا ہے جیسے اسباب کے ذریعہ پیش آنے والی چیزیں سبب پیدا کرنے والی چیزوں سے جڑی ہوتی ہیں جیسے فعل کا عملاً پیش آنا مؤثر ہوتا ہے۔

امام شافعیؒ نے فرمایا (بدعتیں دو ہیں) ایک پسندیدہ بدعت، دوسری ناپسندیدہ) جو سنت کے مطابق ہو وہ پسندیدہ ہے اور جو سنت کے خلاف ہو وہ ناپسندیدہ ہے، حدیث انہی فقہی معانی کو بتاتی ہے۔

حالاتِ حاضرہ میں حدیث سے کیا رہنمائی ملتی ہے

۱۔ یہ حدیث بندۂ مؤمن کو اسلام کی نشر و اشاعت اور اسلامی اقدار کو عام کرنے کے لئے، جدید ترقی یافتہ وسائل کو ایجاد کرنے اور بروئے کار لانے کی طرف متوجہ کرتی ہے خواہ وہ سننے سے تعلق رکھتے ہوں یا پڑھنے اور دیکھنے سے، ان ساری چیزوں کا صدقۂ جاریہ کی نیت اور ثواب کی امید میں کرنا سب پسندیدہ ہے۔

۲۔ حدیث سنتوں کو زندہ کرنے کی بھی دعوت دیتی ہے جو اب اسلامی معاشرہ سے معدوم ہوتی جا رہی ہے مثلاً مہمان کی عزت کرنا، اللہ کی راہ میں خرچ کرنا، دسترخوان پر مہمانوں کے ساتھ اکرام کا معاملہ کرنا، ایسے ہی عقیقہ کرنا اور نئے آنے والے مہمان کا اکرام کرنا۔

حدیث ایسی چیزوں (خلاً سینما، ویڈیو، عریاں فلمیں اور رسالے) کے ایجاد کرنے سے روکتی ہے جو جنسی ہیجان پیدا کرنے والی ہیں۔ لہٰذا جو شخص ان وسائل کو اختیار کرے گا (باقی صفحہ ۳۰ پر)

حدیث مذکور ہمہ گیر تربیت کے توجہ ناموں میں سے ایک توجہ نامہ ہے اور امت مسلمہ کو نیک کاموں اور میدان عمل کی طرف بڑھاتی اور میدانِ عمل کے آفاق کو وسیع کرتی ہے، دل میں دست اور شرف و نیکی کی طرف چلنے اور نیکی و بھلائی کی طرف بڑھنے اور بگاڑ پیدا کرنے والے افکار و نظریات اور ان برے اعمال کے مقابلہ پر آمادہ کرتی ہے جو امت کو برے نتائج سے دوچار کرتے ہیں۔

آیت ذیل انھیں چیزوں کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

(وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ)۔

اور (دیکھو) نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔ اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کرو۔ (مائدہ ۲)

اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کو بھلے اور نیک کاموں میں مدد کرنے اور برائیوں کو چھوڑنے کا حکم فرما رہا ہے۔ یہی تقویٰ ہے (کہ آدمی بالکلیہ اپنے کو اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان کر دے)۔

اور ناحق اور گناہوں اور محارم کو پامال کرنے میں مدد کرنے سے روک رہا ہے۔ ابن عبدالبر نے "اثم" اور "عدوان" کی تشریح میں فرمایا ہے کہ جس عمل کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس کو چھوڑنا اثم (گناہ) ہے، اور اللہ نے جو شرعی پابندیاں عائد فرمائی ہیں ان کو توڑنا "عدوان" (احکامات سے تجاوز) ہے، اپنے یا غیر کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو فرض عائد کیا ہے اس سے تجاوز کرنا یہ سب عدوان میں داخل ہے۔

حضرت عبداللہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بھلائی کی طرف رہنمائی کرنے والا اس بھلائی کو کرنے والے ہی کے مثل ہے یعنی اس کو بھی وہی اجر ملے گا جو عمل کرنے والے کو۔

نعت

ڈاکٹر طفیل احمد مدنی

میرا عقیدہ جان لو حمد و ثنا کے بعد
میں سب کو مانتا ہوں مگر مصطفیٰؐ کے بعد

اہل جنوں نے چھوڑے تھے دنیا میں نقوش
وہ سارے مٹ چکے ہیں ترے نقشِ پا کے بعد

ہیں خاتم الرسل وہی، قرآن ہے گواہ
کوئی نبی نہ آئے گا اب مصطفیٰؐ کے بعد

آدمؑ سے ابتدا ہوئی اور ان پہ انتہا
تکمیلِ دین ہوتی نہ کیوں انتہا کے بعد

اس پیکرِ کمال کی تعریف کیا کروں
کلمے میں جس کا نام ہے رب العلا کے بعد

سن لو کہ اہلِ عشق پہ لازم ہے صبح و شام
پڑھنا درود پاک بھی ذکرِ خدا کے بعد

کہنا مکین گنبدِ خضرا سے اے صبا
باصد ادب درود و سلام وفا کے بعد

مطلوب ہے مدینے کی دو گز زمیں حضورؐ
دنیائے بے ثبات سے اپنی فنا کے بعد

جو کچھ بھی مانگا رب نے دیا آپؐ کے طفیل
اب کوئی آرزو نہیں اس التجا کے بعد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
کلونجی کو تم اپنے اوپر لازم کر لو کیونکہ اس میں موت کے علاوہ ہر بیماری سے شفا ہے۔ (مشکوٰۃ صحیح بخاری)

کھوجاتی ®
کی نئی پیش کش
کلونجی سے بنا
زرماہ
ہربل بام

ہر ایام تلسی سے بنا خاص طور سے سردی، سر درد اور سائنس کے لیے جڑی بوٹیوں سے بنا۔

لال بام خاص طور سے اندرونی و بیرونی درد، آدھے سر کا درد، جوڑوں کا درد، موچ، ریڑھ کی ہڈی کا درد، کمر کا درد اور جسمانی ہر درد کے لیے مفید ہے۔

۱۵۰ سال سے آپ کی آنکھوں کے محافظ

KHOJATI

ہاشم منجی پدمشی سرمہ والا
لمبی چیٹھا کلاتھ مارکیٹ زوبری بازار بمبئی نمبر ۴۰۰۰۰۲ (انڈیا)
فون: ۲۰۸۳۸۱۰ - ۳۴۶۲۲۰۰ - فیکس: ۳۴۶۱۷۳۲.

الحرمین ڈسٹری بیوٹرس
مسجد مرکز والی، ڈاکٹر ذاکر حسین روڈ
امین آباد: لکھنؤ، فون: 217956 فیکس: 338525

تاج ایڈ: ۳۰۵۴۸۹۴

نئے پرانے دردوں، زخموں، گلٹی، فالج، درد سر اور دانتوں وغیرہ کی بیماریوں کے لئے ۶۵ سالہ پرانی عجیب و غریب یونانی دوا

دل آرام تیل رجسٹرڈ ۹۸ء

تیار کردہ حکیم قاسم حسین لکھنوی
اسٹاکسٹ:- ہارون جنرل اسٹور چکپٹی لکھنؤ۔
نوٹ:- جانڈس، دھات، لکوریا، شوگر سے جلد شفایابی کے لئے ہم سے رابطہ قائم کریں۔ فون: 213629